ونظر العلماء علی الاقوال ومتنها

قل جاء الحق — الحمد للہ کہ دریں ایام میمنت انجام کتاب لاجواب — وزهق الباطل

قاطع اعناق ملاحدہ مسمّی

۱۳۰۸

بالالهامات الصحیحۃ

فی

اثبات حیات المسیح

ان الباطل — قبس آفتاب صداقت — کان زھوقا

مطبوعہ دی پنجاب الکٹرک پریس ... طبع گردید

اغلاط نامہ ترجمہ والتنویر والتقریظ والوصیت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۷	۹	سالمعم	سالمعۃ
۱۰۹	۱۶	تمام دنیا پر	لوگوں پر
"	۲۰	حدیث	روایات
"	۲۳	موجود ہی	وجود ہی
۱۱۱	۳	مسیح موعود کے	مسیح موعود ہونے کے
"	۱۹	ولا ہو یک الس	ولا و المتقالین
۱۱۲	۳۰	مسیح	عیسیٰ
"	۱۶	متضمن تاریخ	-
۱۱۴	۳	تجم	تفہم
"	۶	تنبۃ	تخبۃ
"	۹	معلم	اسلم

تصحیح اغلاط نامہ الاسنن عربی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	لا ممیزون	لا یمیزون
۶	۱	عن	الی
۱۲	۶	احداھما	احدھما
۱۳	۹	ولم یجز	والا لم یجز
۱۳	۲	لما	لأنه لما
۱۵	۴	الجنائیۃ	الجنبیۃ
۱۶	۵	واللحوق	واللحوق
۲۲	۷	ماعد	ماعدا
۲۵	۷	مطلقہ	مطلقۃ
۲۷	۷	ووالسلب	والسلب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۰	۸	منرق	فرق
۴۴	۴	حقیقنا	حقیقیا
۵۴	۳	الحملۃ	الجملۃ
۵۵	۹	فی	+
"	۱۰	الشئی	لشئی
۶۵	۱	قبل	قتل
۶۹	۱	ومن	من
۷۰	۵	لا ینافی	الذی لا ینافی
۷۱	۳	المنصف	المتصف
۷۴	۱	ینحرک	یتحرک
۷۸	۷	تسلیم	تسلم
"	۱۰	تعین	تغایت
۸۰	۸	مرتیۃ	مرتبۃ
۸۳	۴	لماتکن	لمالم تکن
۸۹	۳	لھذہ	بھذہ
۹۰	۱	الناقص	الناقض
۹۱	۷	الضالی	الضال
"	۹	التوافق	التوافق بالعربیۃ
۹۲	۷	لیتعلم	لم یتعلم
۹۳	۴	قادینہ	قادیۃ
"	۸	توجیبا	لوجیبا
۹۴	۱	بماثلۃ	یماثلہ
"	۲	لیشبہ	یشبہ
۹۷	۷	الحالی	الخالی
"	۸	توجیہ	من توجیہ
۱۰۴	۳	فاخذو	فاخذوا

اغلاط نامہ ترجمہ مع حواشی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	حاشیہ ۱	مخرب	مشرب
〃	حاشیہ ۴	عفی عنہ	مدا سید ظلہم
۴	۵	اُنکا	انکے
〃	۹	کرتے	+
۷	۱۱	متفرق	مستغرق
۸	۹	تجھے	+
۱۱	آخر حاشیہ	فقد	قد
۱۳	حاشیہ ۲	وہی	ذہنی
۱۵	حاشیہ ۱	قیضیہ	قضیہ
〃	حاشیہ ۳	کو	کہ
〃	آخر حاشیہ	قضیاہ	قضیہ
۱۶	۷	اسمیں متقدم ستارے کے ساتھ موصوف ہوتے تھے۔	اسمیں متقدم اور متاخر اکٹھے موصوف نہیں ہو سکتے
۲۶	حاشیہ ۳	عالم ہوتا	عالم نہ ہوتا
۲۷	۷	گویہ	گویا یہ
۳۰	۵	ہوسکیں	ہوسکتیں
۳۲	۶	قاضی	ماضی
〃	〃	وجود	موجود
۳۳	۲	ایسے نہیں	ایسے ہیں
〃	۱۲	ثابت ہوئی	ثابت ہوا
۳۶	۸	جو یہ	کچھ
۳۷	〃	حصر صحت	حصر کی صحت
۴۰	۱	علیں	علیین ہیں
۴۳	حاشیہ ۳	کی	کی طرف
۴۴	۶	کہ ماخذ	کہ جسکا ماخذ
۴۵	۱۰	تیرا	تجھے
〃	〃	لیجانیوالا ہوں	لیجانیوالا ہوں ارادہ کرتا ہو
۴۷	۱	ہوسکا	ہو
〃	۶	اسی	اس سے
۴۸	۳	قید	قید ہے
〃	۶	سنتے ہی	سنتی ہی
۵۲	۵	تردد	تردید
۵۳	۱	نہیں	نہیں چاہتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸	۱۴	معہ پہلی	پہلی
۵۹	۱	القتل	القتل کی طرف
۶۳	۲	لگاتا	لگاتا ہے
〃	۸	ہمارا	ہمارا مدعا
۶۴	۱۱	ہوتا	+
۶۵	۷	مسیح علیہ السلام	مسیح علیہ السلام کے
۶۶	۴	اسی	اس سے
۶۷	۴	صفت محض	صفت
〃	〃	اوصاف	نہ اور اوصاف
۶۸	۳	موجود ہوسکے	موجود نہ ہوسکے
〃	۴	ہو	ہوں
۷۳	〃	الافلاک سے	الافلاک کے
〃	۸	یہاں تک	یہاں تک کہ
۷۸	۱۳	تو ہمارا	تو تمہارا
۸۰	۶	فسر رسالی	حضرر رسالی
〃	۹	دوم ہے	دوم یہ ہے
〃	〃	وہ سردی	اگر وہ سردی
〃	〃	ہو	ہے
〃	۱۲	ہوتی	ہوئی
۸۴	۲	اپیمیں	اسمیں
۸۶	۱۲	اعتراض	اعتراض
۸۷	۱۱	سہی	ہی
〃	۱۴	کرا لیسے جو	کہ جو
۸۸	۱	نہیں آتی	لازم نہیں آتی
〃	۲	منزل	معزول
〃	۹	کیحالت	کی حالت میں
〃	۱۲	عالم برزخ	عالم برزخ میں
۹۴	۷	جسمت	رحمت
۹۵	۵	زکوٰۃ اموال	مال
〃	حاشیہ ۲	یا خوراک	اور خوراک
۹۶	۵	مسیح کو	مسیح علیہ السلام
۹۷	۳	جیسا حسن	جیسا حسن
〃	۱۳	کشف اعتراض	کشف دو اعتراض
۹۸	۹	مخل	مہمل
۹۹	۱	ثابت ہے	ثابت ہے

وادر العلم علی السنۃ فاقتبسہا

الحمد للہ کہ درین ایام میمنت انجام کتاب لاجواب قاطع اعناق ملاحدہ

قل جاء الحق — مسمّٰی — وزهق الباطل



ان الباطل — آفتاب صداقت — کان زهوقا

از مولوی ابو الحسن پیر غلام مصطفی مصنف انوار محمدیہ

در مطبع وزیر ہند امرتسر طبع گردید

قیمت ... فی جلد ... بلا محصول ۱۲/

قصیدہ تہنیت مشتمل بر نظم [illegible] مطبع [illegible] الحاج پیر سید صاحب [illegible] ساکن [illegible]

اے مسلمانو کہو اسلام کو آپ خیر باد
بے مہار اس شہر سا سر چڑھا ہے جو پڑ نے لگا
عالم و فاضل ہیں پر کون اتنا کہہ تو دیں
سارا بھی جب آنکھ میں پڑ کے کھٹکنے لگا
[illegible] ہے ہتیانہ کیا ہا طوفان ہو
کادیانی پھیری اور سب کو بھٹکانے لگا
استعاروں پر وہ سمجھا چیستان قرآن کو
پھیر کر ایسے دعوے میں کیا پانے لگا
شان حضرت عیسیٰ بن مریم احمد نزول
دین حق کو کیوں بھلا اس شوخ توڑنے لگا
ہر کہیں اجماع کو اجماع کو مانتے ہے جو
اسلئے ناداں ہے سرا آپ ڈر کانے لگا
گردن گردن کشاں کی قطع کرنے کے لئے
نام سے جنکے مخالف خود ہی گھبرانے لگا
ایسی تصنیف ہیں ایسا ہوا ہے حق ادا
عرش اعظم سے سدا مرحبا آنے لگا
یہ رسالہ ہے جو بالہام صحیح
فہم سے اپنے تو کادیانی آپ مرجانے لگا
ہے حقائق اور دقائق عقلی و نقلی ہیں
گلشن اسلام اس سے تازگی پانے لگا
کیوں نہ ہو ایسا کہ ایسا فہیم ایسا عقیل
جب کہ انوار محمد سے تو ملنے لگا
ایسی بخشش سے مقصد کا سمجھنا سہل ہے
راہ گم کردوں کو یہ راہ دکھانے لگا

دیکھیو تم کس کس طرح شیطان بہکانے لگا
فرق کچھ باقی نہ چھوڑا حلت و حرمت میں آہ
جاہل ظالم جو اپنا علم جتلانے لگا
نغمہ داؤدی سمجھے انکر الاصوات کو
مور سا عاجز سلیماں آج کہلانے لگا
کرکے دعوائے مسیحیت وہ مجنون الحواس
اور حدیثوں کے وہ الٹے معنی بتلانے لگا
یہ نہ سمجھا میں کہاں اور حضرت عیسیٰ کہاں
میری تفسیر ہے یا یا سبکو سمجھانے لگا
حق کہو انعام میرے ہیں یہ تفسیر الکریم
کس قدر یہ بے مثال شوخی اپنی دکھلانے لگا
اشتہار جو میرے کیا فضل حق ہے واہ واہ
خائف علماء دین سے جھوٹ اڑانے لگا
اور مبارک جنکا نام نامی ہے عبد الرسول
مرزا اپنے پاؤں سے اب آپ ہی جانے لگا
جس کا خورشید تاباں دور ظلمت ہوگئی
مرزا کی چیخ اپنا جڑ سے اکھڑنے لگا
سچ یہ عربی میں رسالہ جو ہے رسالہ ہے نید
بالمقابل اسکے کیونکر مرزا آنے لگا
ہے یہ ترجمہ اسکے مولانا غلام مصطفیٰ
مفتی و دوران سے فیض علم جو پانے لگا
بامحاورہ ترجمہ اردو میں املا کر چکے
ہوگیا اور یہ عقدہ دل صاف کہلانے لگا
یا الٰہی اس ہدایت اہل ایماں کو نصیب

کر دیا آزاد سبکو قید امر و نہی سے
نفس کو تیر کو بھی ہا۔ پایا جو کچھ کھانے لگا
نازو غمزہ اس جہاں کا پھر نہ کیوں جائے گم
غش پہ غش کھانے لگے جسم گر کھانے لگا
اہل رفض و خارجی دشمن ہیں اپنے آپ کے
بے تجسم بدی دنیا میں پھیلانے لگا
کہکے خیر شیطانی لیا لعنت کا طوق
منہ سے کہاتے کہاتے اپنا ناک سے کہانے لگا
سمر یزم سحر اب ابن مریم کو کہے
وہ کہے ہے سمر یزم حق کو جھٹلانے لگا
ہر غضب بائیں الٹ کے بے ادب سمجھا نہیں
سیف قاطع عالموں کی خوب چمکانے لگا
خاص کر جو فاضل اکمل جناب مولوی
علم و فضل و حلم کا جنسے نشاں آنے لگا
ہم نہیں فقط ثنا خواں ہیں ملک سے طراز
آپ ہی مرزا اس ظلم کی پانے لگا
نص قاطع سے کیا ثابت کہ زندہ ہیں مسیح
دیکھیو موجیں کیا دریا اسکی کیا ہی لہرانے لگا
کیوں نہ ہو شکوہ اہل دین ایسی بھی ہو
علم و دانش میں وہ گویا نقل پہچانے لگا
ہر طرف دنیا میں پھیلا آپکا فضل و کمال
آفتاب صداقت نور چمکانے لگا
حق تعالیٰ آپکو بھی جزا اسکا نیک دے
تو بچا وے جنکو وہ گمراہ کرجانے لگا

الہام ہو کر یہ رسالہ جو ہے بے نظیر پتہ ہوگیا رہ تا ابد دل سمجھانے لگا ۔ کیسے واہی ہو جسکو اسقدر میسر ہے ۔ دین کا فخر بھی کیا پایا [illegible]

والاولیاء من الاقطاب والاوتاد الذی تخضع دون سرادقات دولته القیاصرة
والاکاسرة وکل منتصم فی جنابه تاد وانقاد ومن تکبر واعرض عنه وفاد وعن استماع
مواعظه اضفاد فقد اباده الله فباد وکاد ان یکاد دار البوار یوم التناد وعلی آله
وصحبه الذین هم خزنة اسرار الدین المتین وباتباعهم ساد من ساد وبشقاقهم
وخلافهم زاغ عن الصراط السوی من زاغ ووقع فی الالحاد وفسد قلبه اشد الفساد
کفساد طعام حاد وبعد فیقول الراجی للترقی الی اوج القبول محمد غلام رسول
الحنفی[١] المجددی النوری القاسمی[٢] حفظه الله عن شر کل لئیم غبی وعفی عنه لما اکثر الضلال

اولیاء کے اقطاب۔ اوتاد میں سے وہ تھی کہ جنکی سلطنت کی پردوں کے نیچے شہنشاہ عاجزی کرتے ہیں۔ ہر ایک نے انہیں سے انکی جناب میں نرمی کی جیسے انسے مونہہ پھیرا اور متکبرانہ ناز کیا۔ جو انکی نصائح کے سننے غصہ سے پھیرا۔ بلا شک اسکو اللہ نے ہلاک کرڈالا پس ہلاک ہوا۔ قریب ہے کہ جہنم میں قیامت کے دن گریگا۔ درود و سلام ہو جیو آپکی قوم اور یاروں پر جو محکم دین کے اسرار کے خزانچی ہیں۔ انہی کی تابعداری سے سرداروں نے سرداری پائی ہے انکے خلاف کرنے سے جو کجرو راہ مستقیم سے پھرا انہی کے خلاف سے ہے۔ یہیں سبب الحاد میں گرگیا ہوا کرم خوردہ طعام کیطرح اسکا دل فاسد ہوا۔ بعد حمد و صلوۃ کے فرماتے ہیں جو امیدوار ہیں قبولیت کی بلندی پر چڑھنے کے جنکا نام نامی **محمد غلام رسول** ہے۔ نسبا حنفی طریقۃ نقشبندی مجددی نوری عرفا اور نسبا قاسمی ہیں۔ بچاوے انکو پاک پروردگار ہر لئیم کند فہم کج عقل اور بہکے ہوئے کے شر سے

کہ جنکا ہے گمراہی۔

١ه حضرت مصنف مد اللہ ظلہم شرب نقشبندی مجددی نوری رکھتے ہیں۔ مجددی سے حضرت امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں، مراد ہیں۔ نوری سے حضرت عارف مشہور فی الآفاق مروج دین محمد حضرت خواجہ نور محمد الفاروقی المعروف بحضرت باباجی تیراہی مولنا چوراہی مدفنا مقصود نگر قدس اللہ سرہما واوصل الینا بدہما۔ ٢ه قاسمی عرفا یہ حضرات حضرت مصنف عفی عنہ کے اجداد عالیہ سے ایک عارف کامل ہیں جنکا نام نامی حضرت قاسم ابن عارف باللہ الخلیل حضرت بابا اسمٰعیل البہائی رحمۃ اللہ علیہما ہے اور انہیں کے حق میں میر سعد اللہ رستاہ آبادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ نیز زو ہستہ شیخ اسمٰعیل مرد با نزاہد رہست دلیل اور ان حضرت علیہ الرحمۃ کا ادبی پائیندہ ساہی حضرت قاسم کہ حضرت سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے اور تاریخ مذکور میں نسبت انکے لکھا ہے۔

٣ه عارف وقت بود و مرد ولی ۔ سعد با بای احمد الکہلی +



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدی من الی ھداہ مال وھاد وارشد الی فھم الحقائق لمن فی تحقیق الحق اشتد واد واشاد بذکر من جاد بالوصول الی الدقائق القرانیہ وفی رضاہ جاد من خاض فی آیاتہ خوض من لم ینب الیہ فھو ممن انابی لیہ صاد وعن سبیلہ صاد وفی بوادی الحیرۃ کالحمار الحیدی حاد وذید عن حظیرۃ قدسہ اشد الذیاد ومن تخلی بسوادہ عن سواد عبادہ الصالحین فھو احری بان یسود وجہہ بالسواد لابان یسود او یساد ومن عاد لعصیانہ من ای عاد کان کما اعتاد عاد فقد عاد الی شر معاد والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی حبیبہ وصفیہ محمد سید الانبیا

سب تعریفیں ثابت ہیں خاص پروردگار کو جس نے راستہ دکھلایا اوسکو کہ جس نے اوسکی راہ نمائی کی جانب میلان کیا اور وہ راہ نمائی کی اوسنے حقائق کے سمجھنے کیطرف اوس شخصکو جو حق کی تحقیق میں مضبوط اور قوی ہوا اور دقائق قرآنیہ میں کامل الوصول اور اوسکی رضامندی میں جان نثار کرنے والیکا مرتبہ بلند کیا۔ جسنے اوسکی آیات میں خوض کیا مانند اوسکے خوض کے کہ جنھوں نے خدا کی طرف رجوع نہیں کیا پس وہ شخص اون لوگوں میں سے کہ جنھوں نے خدا کی جانب رجوع کیا ہے سرکش اور متکبر ہے۔ خدا کی راہ سے مانع ہے۔ حیرت۔ گمراہی کی میدانوں میں وحشی گدھے کیطرح دور پڑا ہوا ہے۔ خداوند تعالی کی پاک بارگاہ سے مردود ہوا جس شخص نے اپنے آپکو خدا کے نیک بندوں کی جم غفیر سے الگ کیا وہ روسیاہی کا مستحق ہے سرداری کے قابل نہیں۔ جو شخص گناہوں پر خوگر ہوا۔ گو کسی قسم سے ہو جیسے کہ خوگر ہوا تھا قوم عاد بیشک بلاشبہ بری انجام کیطرف لوٹا۔ اکمل۔ اتم درود وسلام ہو حبیب خداوند تعالی کے برگزیدہ۔ پیارے پر۔ جنکا اسم شریف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو سردار ہیں انبیاء

فهم لا يميّزون بين القشر وبين اللباب ولا بين الدر وبين التراب ولا يفرقون بين الشمال واليمين ولا بين الشيخ والجنين فهم حائرون فى اودية الظلم وضلال مبين الا يعلمون ان لعنة الله على الظالمين ولما بلغ الامر الى ما رأيت وانتهى الفساد الى ما تلوت ودريت التمس منى بعض الاحباب وخلص الاحباب ان اظهر فساد دلائل الكاديانى على دعواه من موت عيسى صلى الله وسلم على نبينا وعليه حين رفع الله اليه واثبت حيوته بالآيات القرآنية واكتفى بها من غير تعرض لذكر الاحاديث النبوية على صاحبها الف الف تحية لان الكاديانى واتباعه لا يعتقد ونها ولا يدينون بها ومن غير تعرض لسائر عقائدهم الفاسدة الكاسدة والمزخرفات الواهية لعدم اشتهارها كاشتهار المسئلة الاولى ولعدم الفراغ لكثرة الاشتغال بمطالعة الكتب السالفة المتداولة والافتاء للمستفتين وتعليم الطلبة ولتنفر

پوست مغز موتی مٹی میں امتیاز نہیں کرتے۔ شیخ جنین و آہنی باآہنی میں فرق نہیں کر سکتے۔ ظلم ظاہر گمراہی کے میدانوں میں وہ حیران ہیں کیا نہیں جانتے ہیں کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ جبکہ اس درجہ پر فساد پہونچا تو ہم سے بعض محبوں دوستوں نے التماس کی کہ ہم کادیانی کی دلائل کا جو اس نے اپنے دعوے (کہ مسیح علیہ السلام مرگئے ہیں اور صرف انکی روح مرفوع ہوئی ہے) پیش کیئے ہیں۔ فاسد ہونا ظاہر کریں۔ ہم انکی حیات آیات فرقانیہ کے ساتھ ہی صرف استدلال کر کے ثابت کریں۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے ثابت کرنے کے لئے نقل نہ کریں گے۔ اس لئے کہ دراصل کادیانی اور اسکے متبعین حدیث کو مانتے نہیں ہیں۔ بغیر اسکے کہ ہم بجز اس عقیدہ کے اسکے اور عقائد فاسدہ اور ملمعات واہیہ کی جانب التفات کریں۔ کیونکہ وہ عقائد اسقدر مشہور نہیں ہوئے جیسا کہ پہلا مسئلہ شہرت پا گیا ہے[2] چونکہ ہمکو بسبب اسکے کہ ہم کو کتب متداولہ قدیمہ کا مطالعہ افتاء تعلیم کا بہت شغل ہے فراغت نہیں ہے۔

[1] کیونکہ اگر احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر فرماتے تو زیادہ ہی طول ہو جاتا اسواسطے صرف قرآن کی آیات کے ساتھ مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت فرمایا ۱۲ مترجم [2] واضح رہے کہ دراصل ایسے مسائل کے بانی اور مجتہد سر سید صاحب ہیں مگر کادیانی صاحب نے انھیں کو کچھ تبدل و تغیر دیکر ظاہر کیا اور اپنا ہی اختراع جتلا کر انکی شہرت سے حصہ لیا ہاں انا مسیح کا دعویٰ ہی اس پر زیادہ کیا ۱۲ مترجم

والطغيان والبغي والعدوان في هذا الزمان من اجل الذي خرج من قاديان وادعى انه المسيح الموعود به الآتي آخر الزمان وانه مات نبي الله عيسى بن مريم على نبينا وعليه الصلوة والسلام ما دام الملوان وتعاقب القمران وانه لم يرفع بجسده الى الخضراء فلا ينزل الى الغبراء واظهر عقائد الزنادقة ومكائد الملاحدة كل مطالبه ومطالب من يحذو حذوه حذو النعل بالنعل الا افساد في البلاد وجل مآربهم افشاء التزندق واشاعة العقائد الخبيثة الكفرية بين العباد واذاعة الارتداد يدّعون انهم المهتدون والحال انهم عن الصراط لناكبون وانهم الذين آمنوا ثم كفروا فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون فان ماتوا على ذلك فهم في جهنم خالدون تلفح وجوههم النار وهم فيها كالحون ويقال لهم الم تكن آياتي تتلى عليكم فكنتم بها تكذبون يشنعون بالسلف الصالحين شنعا ويحسبون انهم يحسنون صنعا ونحن بين اظهر قوم يسبون العلماء ويبغضون الفضلاء صناعتهم السب والشتم والطغيان وفي تفضيح الآمرين الناهين اطالة اللسان ليس لهم من العقل سهم ولا بالدين

حق سے تجاوز۔ گردن کشی ظلم اس زمانہ میں بسبب اسکے جو قادیان سے ظاہر ہوا ہے زیادہ ہوا۔ اسنے دعوی کیا کہ جس مسیح کی آمد کا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہوں۔ دعوی کیا اسنے کہ مسیح علیہ السلام علی نبینا و علیہ السلام مرچکے ہیں۔ نہ وہ بجسدہ آسمان پر چڑہائے گئے ہیں۔ اسلئے وہ زمین پر بہی نہیں اتریگے۔ اُسنے بری عقائد ظاہر کیئے۔ نہیں ہے اسکا۔ ان لوگونکے جو اسکے مطابق ہیں مانند مطابقت نعل کے نعل کیساتہ مقصود مگر آبادی زمین بگاڑ۔ فساد ڈالنا تزندق پہیلانا۔ پلید کفریہ عقائد کا درمیان بندگان خدا شایع کرنا انکا اعلی مطالب ہیں۔ یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یاب ہیں حالانکہ وہ سیدہی راہ سے برگشتہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان لایا انہوں نے پہر کفر کیا انہوں نے پس خداوند تعالی نے انکے دلونپر مہر کردی ہے جس لیئے سمجہتے نہیں ہیں اس عقیدہ پر اگر وہ مرگئے تو وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ انکے منہونکو آگ جلادیگی اسمیں ترش رو رہینگے کہا جائیگا انسے کیا تم پر نہیں پڑہی گئیں تہیں ہماری آیتیں پس تہے تم انکو جہٹلاتے۔ بدگمانی کرتے اور سخت بدگمانی سلف صالحین کی نسبت کرتے ہیں پہر گمان کرتے ہیں کہ ہم یہ کام اچہا کرتے ہیں۔ ہم ایسی قوم کے درمیان ہیں کہ سب علما اور بعض فضلا جنکا پیشہ ہے سب و شتم طغیان انکا حرفہ ہے۔ ان لوگونکی فضیحت جو نیکی کا امر برائی سے منع کرتے ہیں فضیحت کرنیکے لیئے زبان درازی کرنا انکا کام ہے۔ نہ تو انکو عقل سے حصہ نہ دین کی سمجہ ہے۔

بقوله تعالى وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم تقرير استدلاله وتهذيبه ان خلت بمعنى ماتت والرسل جمع معرف بلام الاستغراق فلذا فرع عليه افائن مات الخ اذ لو لم يكن الخلو بمعنى الموت او لم تكن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفريع اذ صحته موقوفة على اندراج نبينا صلى الله عليه وسلم في لفظ الرسل المذكور قطعا وذلك بالاستغراق وكذا صحته موقوفة على كون الخلو بمعنى الموت اذ على تقدير التغاير وعموم الخلو من الموت يلزم تفريع الاخص على الاعم مع ان التفريع يتعقب استلزام ما يتفرع عليه للمتفرع ومن المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفريع الواقع في قوله تعالى يستدعي تحقق كلا الامرين من كون الخلو بمعنى الموت ومن كون الجمع مستغرقا وبعد كلتا المقدمتين

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مرجاویں یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور تہذیب[1] یوں ہے کہ بتحقیق خلت کا معنی مر گئے ہیں۔ الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرف ہے اسیواسطے اسپر أفان مات متفرع ہوا کیونکہ اگر خلو کا معنے موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہو تو أفان مات کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے کہ اس تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام استغراقی ہوگا۔ ایسا ہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو بمعنی موت ہو اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لاغیر۔ پر ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا صغریٰ۔ دوسرے کو کبریٰ بنا دینگے شکل یہ ہے کہ

[1] جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی طرف اشارہ ہے کہ کادیانی کو گو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلہ اسکی دلیل کو سواریں گے ۱۲ منہ جم

الطبیعۃ عن التوجہ الی امثال ہذہ الخرافات ولکن ھمّہا الا التفات عن
اشباہ ہذہ المزخرفات التی ھی کفریات صرفۃ وارتدادات محضۃ اعاذنا اللہ
تعالیٰ واعاذ سائر المسلمین من شرور ہذہ الطائفۃ الباغیۃ الملاحدۃ خذلہم
اللہ علیحدۃ فاعتذرت منہم تارۃ بانصراف البال الی کثرۃ الاشغال وتارۃ بالتنفر
عن صرف الاوقات فی الالتفات الی الزور الصریح من ہذا المقال فقدمت رجلًا
واخرت اخری ومع ذالک لم یترکوا الی عذرًا وحملوا بہ علی جبرًا فاجبت مسئولہم
حسب ما التمسوا وانجحت ماموہم علی ما اقترحوا فکتبت ہذہ الوریقۃ المختصرۃ
وسمیتہا بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح وذکرت فیہا دلائل الکادیانی مہذبۃ
ومنقحۃ اولًا ثم ازحتہا ثانیًا فوضح الحق الصریح وبطل ما کان یعمل الکائد والمکیدون
فکبکبوا ونکسوا علی رؤسہم ہم والغاوٗن وجنود ابلیس اجمعون فہا انا اشرع فی المقصود
متمسکا بحبل اللہ الودود واقول ان الکائد استدل علی موت عیسیٰ علیہ السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی وامثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹے کلمات کی
طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرفہ ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو
سرکش ملحد طائفہ کے شر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذر بیان کئے اولًا
کہ ہم بہت شغال میں مصروف ہیں ثانیًا کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹے ہیں التفات نہیں چاہتے
ہیں۔ پس ہم ایک پاؤنکو آگے کو بڑہاتے۔ دوسرے کو پیچھے ہٹاتے تھے باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔
انہوں نے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کی ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرز پر کہ انہوں نے
التماس کیا تہا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انہوں نے چاہا تہا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پر ہمنے لکھے۔ اس
کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح رکہا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی حتی الوسع اصلاح
اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید۔ تکذیب عمدہ طور پر لکھی۔ پس صریح طور پر حق واضح ہوا
مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے۔ شیطان کے لشکر بھی تمام سرنگون ہوگئے۔
خبردار ہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پر بھروسا کر کے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام
کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

سلہ عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہتے ہیں ۱۲ مترجم

كما فسره ارباب اللغة واطالة الكلام بالنقل من كتب اللغة لا يليق بهذا المختصر
ولتيسر الاستغناء بمطالعتها ولم يفسر احد من ارباب اللغة لفظ الخلو بالموت فعلم
ان حقيقته اللغوية انما هي المضي لا غير كيف لا وقد تايد باسناد الخلو الى
المنافقين في قوله عز وجل واذا خلوا الى شياطينهم وفي قوله تعالى واذا خلا بعضهم
الى بعض وعدم ارادة موتهم بهذا اللفظ ظاهر واسند الخلو الى السنن وقيل وقد خلت
من قبلكم سنن والى الايام كما في سورة الحاقة في قوله عز وجل كلوا واشربوا هنيئا
بما اسلفتم في الايام الخالية ولا يتصور ان يراد بخلو السنن والايام موت قائل منهما
وهذا ظاهر لا يخفى على احد فتفسير الخلو بالموت تعريف له بالاخص والاخفى فان الموت
نوع من انواع الخلو

چنانچہ کتب لغات میں خلو کی یہی تفسیر موجود ہے ہم انکی نقلیں اسواسطے پیش نہیں کرتے کہ وہ
باعث طول ہے۔ اور یہ کتاب مختصر ہے۔ نیز جس کو علم سے کچھ تھوڑا بھی مس ہو وہ یہی کتب لغات
کا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ کسی نے لغت میں کسی اہل لغت نے موت نہیں لکھے ہیں
پس اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ اصلی اور حقیقی معنے خلو کا بجز گذرنے کے اور کچھ نہیں ہے ایسا کیوں
نہو حالانکہ یہ امر ظاہر ہے اس سے کہ قرآن شریف میں خلو کو منافقین کی طرف اس آیت میں نسبت
کی گئی ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ جب منافقین اپنے شیاطین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں
نیز جب منافقین میں سے بعض لوگ دوسرے منافقین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں اسیطرح پر خلو کو
قرآن شریف میں سنن کی طرف نسبت کی گئی ہے دیکھو اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ تم سے پہلے سنتیں
گذر چکی ہیں۔ اور دوسری آیت میں دنوں کی طرف اسکو نسبت ہے۔ دیکھو سورۃ الحاقہ میں ارشاد ہے کہ کھاؤ
پیو بسبب اسکے کہ تم نے گذرے ہوئے دنوں میں آخرت کیلئے آگے بھیجا ہے اعمال کئے ہوئے تھے۔
پس قرآن سے بھی ثابت ہوا ہے کہ خلو کا معنے موت نہیں ہے بلکہ اسکا معنے گذرنا اور جانا ہے۔
لہذا یہ مقصود نہیں ہے کہ خلو کا معنے موت لیا جاوے کہ بالضرور اس کا معنے گذرنا اور جانا ہے بیان
مخفی نہیں ہے۔ پس خلو کو موت کے ساتھ تفسیر کرنا یہ بعینہ اخص کے ساتھ تعریف کرنا ہے اسلئے کہ موت
خلو کا ایک قسم ہے

يقال ان المسيح رسول وكل رسول مات وينتج هذا القياس المؤلف من المقدمتين
القطعيتين ان المسيح مات وهو المطلوب في الدليل على الصغرى قوله تعالى ورسولاً
الى بني اسرائيل وقوله تعالى ما المسيح بن مريم الا رسول واشالها من الايات وتسليم
جميع الفرق الاسلامية برسالته عليه السلام والدليل على الكبرى المقدمتان الممهدتان
المذكورتان لانه متى كان الخلو بمعنى الموت وقد استد الى الرسل وثبت كونه جمعًا
فيندرج فيه المسيح عليه السلام قطعا فيلزم ثبوت الموت له في ضمن الكبرى فثبت ما بصدده
الكبديون ويزاح بمنع كلتا المقدمتين وبمنع لزوم استحالة عدم صحة التفريع على تقدير
ارتفاع كليتهما او احدهما حقيقة كما فهموا وزعموا وبكونها مشترك الورود مطلقا
بحسب الظاهر سلمت المقدمتان كلتاهما او منعتا وسند المنع الاول ان الخلو هو المضي

مسیح علیہ السلام بے شک رسول ہیں۔ ہر رسول مر گئے ہیں۔ اب اس شکل سے جو دو یقینی مقدمتین
سے مؤلف ہے یہ نتیجہ نکلیگا۔ بے شک مسیح علیہ السلام مر گئے۔ یہی مطلوب تھا صغرا[۱] پہ دلیل یہ کلام الٰہی ہے
جسکا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کیطرف فرستادہ ہیں۔ نیز یہ کلام ربانی جس کا معنے
یہ ہے کہ نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر خداوند تعالے کے فرستادہ۔ انکی مانند اور آیات بھی ہیں جن سے
مسیح علیہ السلام کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپکا رسول ہونا کل اہل اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔
کبرا کے لئے دلیل وہ دو مقدمہ ہیں جنکی تمہید اور اصلاح ہو چکی ہے۔ کیونکہ جب خلو بمعنے موت ہوا اور
اسکی نسبت الرسل کی جانب کی گئی اور الرسل کا جمع ہونا ثابت ہوا تو مسیح علیہ السلام کا الرسل میں داخل ہونا
یقیناً سمجھنا پڑیگا جبھی مسیح علیہ السلام کی موت کا کبرا کی ضمن میں ثابت ہونا لازم آدیگا۔ پس کادیانیوں کا
مطلب پایۂ ثبوت تک پہونچا۔ اس استدلال کی تردید وازالہ یوں ہے کہ یہ دونوں مقدمہ جو کبرا کی دلیل
بنائے گئے ہیں مسلّم نہیں ہیں۔ عدم صحت تفریع کا استحالہ اسصورت میں کہ دونو مقدمہ یا ایک نہ پایا جاوے
نیز مسلّم نہیں۔ ہم اس استدلال کو اسطرح بھی توڑینگے کہ یہ استحالہ بہرحال لازم آویگا خواہ وہ دونوں مقدمہ مان
لئے جائیں یا نہ۔ اب پہلے منع کی سند سنتے جائیں کہ خلو کا معنے گذرنا ہے۔

[۱] صغرا یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام رسول ہیں۔ کبرا یہ ہے کہ ہر رسول مرگیا۔ الرسل کا جمع مستغرق ہونا یہ منشور ہے
کہ اس سے تمام پیغمبر آدم علیہ السلام سے جناب رسول اکرم تک مراد رکھے جائیں ۱۲ مترجم

في سابق علمنا او بالقتل كما صاح به الشيطان واستقر في قلوب كثير والتصريح بالثاني
لموافقته للواقع ومطابقته لتقدير الله تعالى وذكر الثالث وانه لم يطابق الواقع والتقدير
مراعاة لزعمهم ونفيًا سيما لنفي جواز الارتداد على كلا الشقين وان كان هذا الثالث
مزعومًا محضًا وجهلاً مركبًا الا انه لما كان قوي الاحتمال وكثر وقوعه بالانبياء
السابقين كما دل عليه قوله عز وجل يقتلون النبيين بغير الحق فكان ذكره ضروريًا
وعدم التصريح بالاول وان كان حينئذ داخلاً في الانقضاء مما يوجب ذكره من الموجبات
المذكورة لظهور عدم توافقه التقدير والواقع وعدم استقراره في قلوبهم وشذ وقد
تقدمه [illegible] فنظرًا الى ان المقصود في الحقيقة هو نفي جواز الارتداد على تقدير احد الشقوق
الثلثة المصدرة وذلك لان الامر الدائر بين الثلاثة يساوي الدائر بين الاثنين فلا يلزم تفريع الاخص
على الاعم على تقدير كون المعنى الحقيقي مرادًا من لفظ الخلو بل يلزم تفريع احد المساويين

یا انکا انتقال شہادت سے ہو جیسا کہ اس قسم کی آواز شیطان نے دی تھی اور بہتوں نے اس پر یقین کر لیا تھا ثانی یعنی آیا
ضروری البیان ہے کہ آیت میں موت اور قتل کا صریح ذکر کیا گیا ہے رفع کا [illegible] واضح رہے کہ موت کی اور قتل کی تقدیر
اگرچہ [illegible] تقدیر الٰہی اور واقع کے مطابق تھی قتل کی تصریح [illegible] تاکہ وہ
تقدیر پر (موت اور قتل) سمجھ جائیں کہ دین سے پھر جانا ناجائز ہے انکا مقتول ہونا گو انکا زعم [illegible]
تھا لیکن چونکہ انبیاء سابقین بہت سے مقتول ہو چکے تھے (چنانچہ خداوند فرماتا ہے کہ انہوں نے نبیوں کو
کو ناحق قتل کر دیا ہے) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ گمان قوت پکڑ گیا تھا۔ اس واسطے
آیت مذکورہ میں قتل کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ رہا یہ کہ رفع کا ذکر نہیں ہوا۔ باوجودیکہ عبارت میں مقصود ہے۔
[illegible] واضح ہو کہ اسکی تصریح چند وجہ ضروری نہیں تھی۔ اولاً کہ آپکا مرفوع ہونا تقدیر اور واقع کے مطابق نہیں تھا۔
دوم کہ اس قسم کا خیال مخالفین کو نہیں تھا۔ سوم آپ پہلے مرفوع [illegible] تھا [illegible] تقدیر
پر موت، قتل (رفع) جواز الارتداد کا انکاری متفرع ہے علاوہ ازیں اس میں شک نہیں ہے کہ انتقال [illegible]
دائرہ خلو کے ساتھ (جیسا کہ [illegible] معنی گزرنا ہے) مساوی ہے اسلئے اب احتمال لازم نہیں آیا [illegible] کہ
اس صورت میں ایک مساوی کی دوسرے مساوی پر تفریع ہوگی۔ اور یہ جائز ہے نہ اخص کی اعم پر [illegible]

---

(۱) آنکہ جنگ بدر [illegible] آواز دی تھی کہ [illegible] قتل [illegible] حضرت [illegible] اسی طرف اشارہ فرما دیا [illegible]

يشمل على الانتقال الكلي بجميع اصنافه سواء كان ذلك الانتقال من الاعلى
الى الاسفل ويسمى ذلك خفضا او من الاسفل الى الاعلى ويسمى ذلك رفعا او
من القدام الى الخلف او بالعكس ويشمل على الموت بالجرح الذى هو القتل وعلى
الموت بلا جرح فلا يدل على موت المسيح عليه السلام وان سلم الاستغراق فان ثبوت
الاعم كالخلو مثلا وان كان لكل فرد فرد من نوع ما كنوع الرسل مثلا لا يستلزم ثبوت
كل ما يندرج فيه من انواع ذلك الاعم لكل فرد فرد من ذلك النوع كما لا يخفى على
من له ادنى دراية والتمسك على تفسيره بالموت دون المضي بلزوم استحالة تفرع الاخص
على الاعم مردود بان المتفرع فى الحقيقة انما هو استبعاد الانقلاب وانكار جواز
الارتداد على تقدير فقدان وجود الرسول صلى الله عليه وسلم من بين اظهر القوم
بعد اداء الرسالة وتبليغ الاحكام الالهية فكان تقدير الكلام وما محمد الا رسول قد خلت
اى مضت من قبله الرسل فهل يجوز لكم الارتداد [illegible] الدين [illegible] بذكر الاعم
المبين ان ذلك بالرفع كما رفع عيسى (ثابت بالاجماع) او ادريس او بالموت كما [illegible]

کہ ذرا ہر ایک قسم کے انتقال پر کافی پر صادق آتا ہے اگر بلندی سے پستی کی جانب انتقال ہو تو اس کو نیچے کا نام
خفض ہے اگر پستی سے بلندی کی طرف انتقال ہو تو اس کو [illegible] کا نام رفع ہے یا آگے سے [illegible] پیچھے یا
برعکس اسکو [illegible] ہر قسم کی خواہ [illegible] یا بلا جرح [illegible] اگر ہم الرسل کو [illegible] مستغرق
ہونیکو مان ہی لیں تو بھی [illegible] عام کا ہونا لازم نہیں آتا [illegible] تمام [illegible] کوئی رسول [illegible] ہر فرد کو
ثابت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس امر عام کا ہر قسم [illegible] رسول کے ہر ہر فرد کو ثابت ہو [illegible] اگر خلو
کی تفسیر موت سے کیجاوے [illegible] اخص کی تفریع اعم پر لازم آوے گی [illegible] انقلاب [illegible] اور ارتداد
کے جواز کا انکار [illegible] مگر آنحضرت صلعم کو [illegible] درمیان [illegible] رسالت [illegible] موجود نہ ہونے کی تقدیر پر
تیس ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نہیں ہیں آنحضرت صلعم مگر اللہ کے رسول بلاشبہ آپ سے پہلے رسول گذر چکے ہیں [illegible] کیا
جائز ہے تمہارے لئے دین سے پھر جانا اگر وہ منتقل کئے جاویں اس طرح پر کہ آسمان پر اوٹھائے جاویں [illegible]
(یہ بات بالاجماع ثابت ہے) یا جسطرح ادریس علیہ السلام آسمان پر چڑھالئے گئے یا اگر آپکا انتقال موت سے ہو
جیسا کہ پہلے ہی انکی نسبت علم ازلی میں مقرر تھا۔

بهذه الآية فليس موضع استشهاده رضي الله تعالى عنه فهذه الآية كلمة خلت
بل قوله تعالى افائن مات لما انكر الفاروق العادل رضي الله تعالى عنه موت رسول الله صلى الله عليه وسلم
وقال ما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يموت وكان ذلك جزما منه بامتناع موته
صلى الله عليه وسلم فرفع الصديق رضي الله تعالى عنه ذلك الامتناع بقوله تعالى افائن مات
فان مدلول ان بحسب اصل الوضع لا يكون الا من الامور التي يجوز تقررها ويمكن
وجودها لا من الامور التي تابى عن التكون والتقرر وهذا واضح على من طالع بحث معاني
الحروف فاذا ثبت جواز تقرر الموت عليه صلى الله عليه وسلم ارتفع الامتناع الذي هو
نقيضه ويدل على كونه موضع استشهاد سيدنا الصديق رضي الله تعالى عنه قوله تعالى
افائن مات لا كلمة خلت قراءته رضي الله تعالى عنه حين الاستدلال قول الله عز وجل
انك ميت وانهم ميتون. وتقريره استدلالهم بمنع المقدمة القائلة ان كل جمع عرف
باللام فهو مستغرق للافراد كلها بان يقال ان هذه المقدمة ممنوعة كيف لا وقد صرح المحققون

آیت مذکورہ کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ انھوں نے تو لفظ خلت (گذر گئے اور گئے) سے مدعا ثابت
نہیں کیا بلکہ افائن مات (کیا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں) سے استدلال فرمایا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعد موت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا تھا کہ آپ نہیں مرے اور نہ مریں گے
اور اس خیال سے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جائز نہیں اور غیر ممکن ہے اس واسطے حضرت صدیق
رضی نے آپکے اس خیال کے اٹھانے کیلئے اس آیت کو پڑھکر افائن مات سے استدلال فرمایا۔ تو اس طرح پر کہ
در اصل مدلول ان کا وہ ہوتا ہے کہ جسکا پایا جانا واقع میں ممکن اور جائز ہو لا غیر چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر
واضح ہے جو بحث معانی حروف سے آگاہ ہیں پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا ہونا ممکن اور جائز ہوا تو حضرت
فاروق اعظم کا خیال جو اسکو ناممکن ہونے پر جما ہوا تھا۔ بالکل اٹھ گیا۔ یہ بات کہ صدیق اکبر نے افائن مات سے
استدلال فرمایا ہو اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت پر حضرت صدیق اکبر نے یہ آیت بھی پڑھی تھی جسکا مضمون یہ ہے
کہ اے رسول کریم تم اور وہ موت کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ انکا یہ قول کہ ہر جمع جو معرف باللام ہو وہ تمام افراد کو شامل
ہوتا ہے مسلم نہیں ہے چنانچہ یہی محققین کی کتابوں میں مصرح ہے۔

سلہ حضرت [illegible] علامہ مد ظلہم کی تقریر [illegible] صدیق اکبر [illegible] استدلال [illegible]
خاص اور دلیل عام [illegible]

على الآخر وهذا جائز كما يقال رأيت زيدًا انه جسم نام حساس متحرك بالارادة مدرك
للكلي والجزئي فيتفرع على هذا المفصل انه انسان ولا ارتياب في تساوي هذا
المجمل وذلك المفصل وفي صحة تفريع احدهما على الآخر والامران اللذان حكمنا
بهما واقعًا وكون احدهما متفرعًا والآخر متفرعًا عليه هو ثبوت خلو كل رسول
ونفي جواز الارتداد على تقدير تحقق واحد من الشقوق فان النسب انما تقتضي المغايرة
مطلقا اعم من ان يكونا وجوديين او سلبيين او يكون احدهما وجوديا والآخر سلبيا
ولا يلزم توافقهما في الثبوت او العدم والدليل على لزوم ذلك النفي للخلو ان المقصود
من البعثة وارسال الرسل التشريع مطلقا وتعيين الطريقة الموصلة الى الله تعالى لا التشريع
الى زمان وجود الرسول بين اظهرهم ولم يخل زمان من الرسل وهذا باطل باتفاق من
اهل الملل فوضح بطلان توهم لزوم استحالة تفريع الاخص على الاعم على فرض ارادة المعنى
من الخلو واما استدلال العبد بالآية الكريمة على موت سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم

عام پر جو نا جائز ہے۔ دیکھو کہتے ہیں کہ میں نے زید کو نشو و نما پانے والا بالارادہ حرکت کرنے والا
کلیات و جزئیات کا ادراک کرنے والا جسم پایا ہے۔ پس اس پر تفریع یا کہہ سکتے ہیں کہ وہ
انسان ہے کیونکہ وہ مفصل اور یہ مجمل (انسان) آپس میں مساوی ہیں جن میں سے ایک
متفرع اور دوسرے کو متفرع علیہ کہا ہے وہ یہ دو ہیں ہر رسول کا گذرنا ہر ایک تقدیر پر جواز الارتداد
کی نفی کا سبب یہ ہے کہ نسبتوں کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ دونوں ثبوتی یا دونوں
عدمی یا ایک وجودی اور دوسرا عدمی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دونوں عدمی یا دونوں وجودی ہوں
باقی یا نہ کہ ارتداد کی نفی خالی ہونے گذرنے کو کس طرح پر لازم ہے تو اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ جل شانہ نے
پیغمبروں کو صرف اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ تا مطلقا شریعت کو بیان کریں اور طریقہ کو جو اللہ تک پہنچانے
والا ہے معین کر دیں اس واسطے مبعوث نہیں فرمایا کہ وہ اسی زمانہ تک شریعت کو ظاہر کریں کہ جب تک وہ قوم کے
درمیان موجود رہیں پھر ایسا زمانہ آ جائیگا کہ کوئی زمانہ بھی رسول سے خالی نہ ہو حالانکہ یہ ہو چکا اور بالاتفاق باطل ہے۔
اس سے واضح ہو گیا ہے کہ اخص کی تفریع عام پر اگر خالی ہونے سے گذرنا ہی مراد ہو لازم نہیں آتا۔
الخ لیکن بندہ کا استدلال آیۂ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کا ... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر ہے

وجنس الرسل قد خلا ومن المعلوم ان ما وقع وثبت لبعض افراد الجنس بالنظر الى ذاته
وماهيته يمكن ان يثبت لسائر افراده فالثابت للبعض بالنظر الى ماهيته كما يستلزم
امكان الثبوت لذلك البعض يستلزم امكانه لباقي الافراد فقضية المهملة اعني خلت
من قبله الرسل وان كانت بالنظر الى الفعل والاطلاق بمنزلة الجزئية غير صالحة لكبروية
الشكل الاول الا انها باستلزامها الممكنة الكلية صالحة لها فغاية ما ينتجه القياس
على هذا ان المسيح ميت بالامكان بان يقال المسيح رسول وجنس الرسل قد خلا
بالفعل والاطلاق وقد عرفت انه يلزمه قولنا كل رسول خال وميت بالامكان فهذا القول اللازم
يجعل كبرى منضمة الى الصغرى فينتج النتيجة المذكورة فهو المتفرع ولم يلزم الاستحالة العقلية
ولا العادية والشرعية من ثبوت موته عليه السلام في الزمان الماضي لكونه مخالفا لظاهر
القرآن والاحاديث واجماع الامة وهذا مع منع كون لفظ الرسل مستغرقا فاذا لم يثبت
مطلوب الكيديانية على تقدير تسليم احدى المقدمتين فقط فعدم ثبوت مطلوبهم على تقدير منعهما معًا

اسمیں شک نہیں ہے کہ پیغمبروں کی جنس گذری اور گئی ہے ظاہر ہے جو چیز (مثلاً موت) جنس کے بعض
افراد کو باعتبار ذات کے ثابت ہو اسکا باقی افراد کو بھی ثابت ہونا جائز ہے پس جیسا کہ اس چیز کا ثبوت بعض افراد
کے لئے ملزوم الامکان ہو ویسے ہی باقی افراد کے لئے۔ واقع میں یہ مہملہ اگرچہ بمنزلہ جزئیہ ہے۔ اسلئے شکل اول کا
کبریٰ نہیں بن سکتا (کیونکہ ہمیں کبریٰ کی کلیت شرط ہے) لیکن اس مہملہ کو ممکنہ کلیہ لازم ہے۔ اسوجہ سے وہ کبریٰ بن سکتا ہے۔
جیسا کہ کہدیں کہ مسیح رسول ہے اور بالفعل جنس رسول بالفعل گزرا اور گیا" پھر ممکنہ کلیہ کو جو اس مہملہ کو لازم ہے کبریٰ
بنائینگے۔ پس شکل اول حاصل ہوگی۔ وہ یہ کہ مسیح رسول ہے ہر رسول بالامکان میت ہے۔ اسلئے یہ شکل یہ نتیجہ دیگی
کہ مسیح بالامکان میت ہے۔ پھر اسے یہ نتیجہ نہیں آیا کہ تو تفریع درست ہوئی۔ اور نہ کوئی محال عقلی اور شرعی لازم
آئد ہوا (یعنی مسیح علیہ السلام کا مرنا جو قرآن واحادیث واجماع کے مخالف ہے) اب دیکھئے کہ صرف ایک ہی مقدمہ کو
تسلیم نکرنیکی حالت میں یہ کیفیت ہوئی تو پھر جس حالت میں دونوں مقدموں کو تسلیم نکرینگے تو کادیانی کا مدعا
کہاں ٹھکانا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو کچھ بھی سمجھ ہے وہ بھی اس بات کو جانتے ہیں، ہاں یہ بھی یاد رہے کہ

سلہ مہملہ وہ ہے کہ جسمیں افراد کی مقدار بیان نہ کیگئی ہو جیسے اس قضیہ میں نہ یہ ہے کہ یہ حکم تمام افراد پر ہے اور نہ یہ ہے کہ
یہ حکم بعض افراد پر ہے چونکہ قد خلت من قبله الرسل میں بھی (تو تمام افراد رسول) اور نہ بعض افراد رسول کو حکم لگایا گیا۔ چنانچہ حضرت
استاد مصنف علام مدظلہم اسکو مہملہ فرمایا ۱۲ مترجم

بذلک فی اسفارہم الا تری الی قولہ عز وجل واذ قالت الملٰئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک
الآیۃ والی قولہ تبارک وتعالٰی واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک الآیۃ فقد ذکرت
صیغۃ الملائکۃ وھی جمع معرف باللام ولم یرد الاستغراق وقال تعالٰی فسجد الملائکۃ کلہم
اجمعون فلو کان کل جمع محلی باللام مستغرقا لکان ذکر کلہم مستدرکا ولو اردنا ان
نجمع الامثلۃ المثبتۃ لنقیض المقدمۃ الممنوعۃ لجمعنا دفاتر کبیرۃ ولکن العاقل یکفیہ
ما ذکرنا من البیان والجاھل الھائم النائم لا یستیقظ بضرب السنان ونغرات الھدھدۃ
یؤدی الی منع الکبری الکلیۃ من مقدمتی القیاس الفاسد الکاسد للکادیانی فلا نسلم اثر
الانتاج لا ینتج ذلک القیاس قولہ ان المسیح مات واما قولنا ان استلزامہ عدم صحۃ
التفریع علی منع الاستغراق غیر وارد فی الحقیقۃ لان المراد من قولہ تعالٰی وما محمد الا
رسول قد خلت من قبلہ الرسل ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لیس الا بشرا رسولا

اسکی تائید قرآن مجید میں ہے۔ ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ کہا فرشتوں نے مریم سے کہ اے مریم خداوند تعالٰی
بلاشبہ تمکو خوشخبری دیتا ہے۔ مریم سے فرشتوں نے کہا کہ اے مریم خداوند تعالٰی نے تجھکو برگزیدہ کیا ہے۔
آپ دیکھو کہ ان آیات میں الملائکہ کا لفظ جمع اور معرف ہے مگر تمام فرشتے مراد نہیں ہیں۔ ہمارے مدعا کو یوں بھی
تائید ملتی ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اسمیں بھی لفظ الملائکہ سے تمام
فرشتے مراد نہیں لئے گئے بلکہ یہ فائدہ لفظ کل اور اجمعون نے دیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ بے فائدہ ٹھہرینگے ایسا ہی
ایسا ہی بہت قرآنی مثالیں ہیں کہ جن سے مخالف کے برخلاف جمع معرف باللام استعمال کیا گیا ہے لیکن
چونکہ ان سب کا ذکر کرنا ملول کا باعث ہے۔ اسی پر اکتفا کیا نیز عاقل کو اتنا ہی کافی ہے جو ہمنے ذکر کیا ہے۔
جب یہ مقدمہ غیر مسلم ہوا تو شکل مذکور کے کبریٰ کی کلیت ہی غیر مسلم ہوئی۔ پس یہ نتیجہ کہ مسیح علیہ السلام مرگئے ہیں
اس مقدمہ سے حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ شکل اول میں کبریٰ کی کلیت شرط ہے اور کلیت تو جاتی رہی۔ لہذا نتیجہ جو مشروط
ہے وہ بھی جاتا رہا۔ اسپر یہ جو ہمنے کہا کہ اگر الف لام استغراقی نہ لیا جاوے تو در اصل تفریع کا ناجائز ہونا
لازم نہیں آویگا۔ سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جس آیت کا یہ مضمون ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر خداوند تعالٰی
کے رسول بالتحقیق آپسے پہلے گذرے اور گئے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صرف خدا کے مقرب بندے اور سچے رسول ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم بالنظر الی ذلک الوصف فیہم عدم صحۃ التفریع بحسب الظاہر لانہ
اذا لم یکن منہ دخیلا فی جماعتہم فکیف یتعدی الحکم منہم الیہ فان التعدی فرع الاندراج
وعدم المتفرع علیہ یوجب عدم المتفرع فلم یجد لہم تخصیص الخلو بالموت ولا ادعاء
الاستغراق کیف والتمسک بالحشیش لا ینفع الغریق فما یجیبون بہ عما ورد علیہم
نجیب بمثلہ مع فضلنا علیہم بما اجبنا ولا یمکن لہم التشبث بجوابنا لدلالتہ علی عدم
مدعاہم ونقیض مبناہم فان امکان شیء کما یقارن ثبوتہ یقارن عدمہ وثبوت الاعم من
المطلوب غیر نافع للمستدل وان نفع المانع السائل وانتفاء ہذہ القاعدۃ علیہم من کمال
جہلہم ونہایۃ حمقہم مع کونہا فی غایۃ الانکشاف وغایۃ الظہور ومن لم یجعل اللہ لہ نورا

کہ رسول کریم صلعم اس زمانہ میں کہ دوسرے انبیاء جن پر وصف خلو سے موصوف ہو گئے تھے خلو کے ساتھ
موصوف نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر یہ ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ آپ رسل ماضیہ میں (اس سبب سے کہ وہ اس وصف سے
خالی تھے) داخل نہیں ہوئے۔ پس جس حالت میں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین میں
داخل نہیں تو ظاہراً تفریع کی عدم صحت کا پھر بھی اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
تو انمیں داخل ہی نہیں ہوئے ہیں پھر کیونکر خلو کا حکم جو ان پر لگایا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کیطرف منتقل ہوگا آخر یہ تو صریح الفہم بات ہے کہ انتقال موقوف اور داخل ہونا موقوف علیہ ہے۔
پس جہاں پر موقوف علیہ ہی نہیں پایا گیا ہو موقوف کیسے پایا جاوے گا۔ لہذا کادیانیوں کو خلو کا صرف
موت ہی میں منحصر سمجھنا۔ الرسل کو جمع مستغرق ٹھہرالینا بالکل نافع نہیں ہے۔ کیا غریق کو گھاس کو چنگل
مارنا کچھ فائدہ دیتا ہی نہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو کادیانی اس الزام کے دفعیہ میں پیش کریں گے وہی
ہماری طرف سے بھی حاضر ہے مگر مع ہذا ہمارا ہی پلہ بھاری ہے کیونکہ ہم تو اسکے سوا اسکے بھی جواب دے چکے ہیں۔
چنانچہ ماسبق سے ظاہر ہے شاید کادیانی ہمارے ہی جواب کو اپنی طرف سے بھی جواب سمجھیں۔ لیکن یہ تو انکے
لئے نافع نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارا جواب ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو کادیانیوں کے مدعا اور نقیض کے
مثال ہے کیا دیکھتے نہیں کہ کسی چیز کا امکان جیسا کہ اس چیز کے وجود کو مقارن ہے ویسے ہی اس کے
عدم کو مقارن ہے۔ پر یہ بھی ہے کہ مدعا اور غیر مدعا کو جو ثابت ہو اسکا پایا جانا گو مانع اور تسلیم نہ ہوا ایسے
سائل کو نافع ہو۔ مگر دلیل پیش کرنیوالے کو ہرگز نافع نہیں ہے۔ یہ قاعدہ بالکل مسلمات سے اور ظاہر ہے کادیانیوں پر

لیلیٰ واولیٰ وهٰذا ظاهر لمن له ادنیٰ درایة وما قلنا من الاشتراك ورد عدم صحة التفریع ظاهراً علی تقدیر
تسلیم المقدمتین ایضاً کما علم منه بما قلنا ان صیغة الرسل وان سلمت انها مستغرقة وسلم ان الخلو
بمعنی الموت لا تستغرق نبینا محمداً صلی الله علیه وسلم لان الکلام وقع فی خلو الرسل قبله علیه وعلیهم
السلام ومن الظاهر جداً ان خلوهم قبله معناه انهم سابقون علیه فی وصف الخلو وهو لاحق بهم فی
ذٰلك الوصف وهٰذا السبق واللحوق متباینان اللذان لا یجتمع فیهما القبل والبعد و
القبل فحین کون الرسل واجدین لوصف الخلو کان نبینا صلی الله علیه وسلم فاقداً لها فلو کان
مثلهم فی ذٰلك الحین اللازم فی قوله تعالیٰ قد خلت من قبله الرسل الاخبار بقبلیة الشیء علی
نفسه ومع فقدانه علیه السلام ذٰلك الوصف وتحلی سائر الرسل به کان مستعداً له
یمکن له ان یتحلی بها حلولاً فاذا ثبت کونه علیه السلام فاقداً لوصف الخلو حین خلت الرسل
فلم یندرج فی تلك الرسل الخالیة حین فقدان ذٰلك الوصف ویلزم علی عدم اندراجه

ہم پہلے یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اگر دونوں مقدموں کو (الف لام کا استغراقی ہونا اور خلو کا بمعنے موت ہونا) مان بھی
لیں تو بھی بظاہر تفریع کی عدم صحت کا الزام نہیں جاتا جیسا کہ دونوں مقدموں کے تسلیم نہ کرنے کی تقدیر پر نہیں جاتا
سو اسلئے کہا جاتا ہے کہ الرسل کا لفظ گو ہم اسکو جمع مستغرق اور خلو کو بمعنی موت ہی لیں ہمارے سردار حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ اس کلام ربانی (قد خلت من قبلہ) میں آپ سے پہلے رسولوں کا خلو
بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ انکا خلو آپسے پہلے ہے یعنے یہ کہ وہ آپ پر وصف خلو میں سبقت
لیگئے ہیں اور آپ انسے اس وصف میں متاخر ہیں ظاہر ہے کہ انکی پیشی اور آپکا تاخر یہ دونوں زمانی ہیں۔
یعنی تقدم وتاخر کے ساتھ موصوف ہوتے تھے سو لازم ہوا کہ جس زمانہ میں اور رسول علیہم السلام وصف خلو کے
ساتھ موصوف ہوتے تھے اسوقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف کے ساتھ موصوف نہیں تھے۔
وجہ یہ ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پیغمبروں کیساتھ خلو سے موصوف
ہو چکے تھے تو پھر یہ لازم آئیگا کہ آپ پر ایک چیز کے اپنے آپ پر مقدم ہونے کی خبر دیگئی ہو حالانکہ
نادان تک بھی اسکے بطلان کو جانتے ہیں البتہ جب یہ اعتقاد کرلیں کہ جس زمانہ میں اور پیغمبروں کو خلو عارض
ہوگیا تھا تو تب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصف لاحق نہیں ہوا تھا پر آپ شبہ کہہ سکتے ہیں
کہ آپکے لیے خلو اور گزرنا ممکن تھا جیسا کہ اور انبیاء گذر سے اور گئے بنابر ان کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا

ما المسيح بن مريم الا رسول قد خلا مع الرسل وقال تعالیٰ قد خلا وقد خلت الرسل او قال عز وجل قد خلا کما خلت الرسل او اکتفیٰ بقوله قد خلت الرسل ولم یقل وقد خلت من قبله الرسل وهذا بناء علی انحصار الجمع المعرف باللام فی الاحاطة والشمول کما زعم الکائد ومقلدوه المکیدون فالتقیید بقوله من قبله صریح فیما قلنا ودلالة هذه الآیة علی حیوة المسیح لا تتوقف علی استغراق الرسل لیلزم ذلک المحذور من ثبوت الموت للنبی صلی الله علیه وسلم حین نزول تلك الآیة بل یکفی فیها کون الرسل جنسا فیقال فی توجیهها ان جنس الرسل وان کان تحقق فی الموارد الخاصة قد خلا من قبل المسیح والمسیح وان لم یخل الی الآن فسیخلو کما خلت الرسل جنسهم فیکون مفادها ان للموت له علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام لم یوجد الی الآن ولکنه سیموت کما ان مفاد الآیة الاولیٰ نفی موت نبینا صلی الله علیه وسلم فیما مضی و ترقیبه له فیما یأتی ومتی دلت هذه علی حیوة المسیح علیه السلام فلو دلت تلك علی موتہ

نہیں ہیں مسیح ع مگر خدا کے رسول۔ بلاشبہ رسولوں کے ساتھ ہی مر گئے ہیں یا بلاشبہ مسیح مر گیا درحالیکہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ مسیح علیہ السلام مر گئے۔ جیسے کہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ رسول مر گئے۔ اور نہ فرماتا۔ بلاشبہ مسیح سے پہلے رسول مر گئے" مگر یہ سب کچھ اس تقدیر پر ہے کہ جب الرسل کو جمع مستغرق مراد رکھیں گے جیسا کہ کادیانی اور اسکے مقلدی کا گمان فاسد ہے۔ پس خلو کو من قبلہ (آپسے پہلے) سے مقید کر دینا اسی لئے ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ آیت مسیح کی حیات پر تب ہی دلالت کریگی جبکہ الف لام استغراقی لیں۔ اس سے نبیؐ کی موت آیت کے نازل ہونے کے وقت ہیں لازم آویگی" سو یہ غلط ہے کیونکہ لفظ الرسل سے جنس رسول مراد ہے۔ اسو اسطے اسکی توجیہ یوں ہوگی کہ "جنس رسول کسی زمانہ میں اس کا وجود ہوا گو مسیح علیہ السلام ابتک نہیں مرے" مسیح سے پیشتر مر گیا ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام بھی اس جنس کی طرح مر ہی جائیں گے۔ بنا بریں اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ مسیح اگرچہ ابتک نہیں مرے ہیں مگر آخر مر ہی جائیں گے۔ یہ ایسا ہوا جیسا کہ پہلی آیت سے ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی زمانہ ماضی میں نفی اور آیندہ انتظار ثابت ہوا تھا۔ اب اگر باوجود اسکے کہ اس آیت نے مسیح کی حیات پر دلالت کی ہے۔ اس آیت سے انکی موت سمجھ لیں گے۔ تو یہ

فما له من نور علی انه لو دل قوله تعالی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل
علی موت ما عدا نبینا صلی الله علیه وسلم من الرسل جمیعهم لدل قوله تعالی ما المسیح
بن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل علی موت ما عدا نبی الله عیسی علیه السلام من
الرسل جمیعهم ویندرج فی ذلك العام المحکوم علیهم بالموت نبینا صلی الله علیه وسلم و
هذا محال فان نزوله لم یکن الا فی حیاته وهذا المحال لم ینشأ الا من تسلیم استغراق
الرسل فی الآیة الاولی فیکون محالا لان ما یلزم منه المحال محال البتة فاذا لم یثبت اندراج
المسیح علیه السلام تحت الاکبر الموقوف علی تسلیم الاستغراق المستلزم للمحذور والمحال
الشرعی لم تصدق النتیجة فی استدلالهم العاطل اللاطائل والآیة الثانیة تدل دلالة
صریحة علی حیوة المسیح بن مریم حین نزولها اذ لو کان من المتوفین فی ذلك الحین لقال تعالی

انکی کم علمی سے پوشیدہ ہو۔ اس سے علاوہ اور لیجیئے کہ اگر مان لیں کہ وہ آیت جس کا مفاد یہ ہے
کہ "نہیں ہے حضرت صلعم مگر خداوند تعالے کا رسول بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذر سے اور گئے" اسپر
دلالت کرتی ہے کہ آپکے ماسوا جتنے رسول تھے وہ سب مرگئے ہیں تو اس صورت میں وہ آیت جس کا معنے
یہ ہے کہ "نہیں مسیح بن مریم مگر خداوند تعالے کا رسول بلاشبہ انسے پہلے پیغمبر گذرے" چاہیئے کہ
اسپر دلالت کرے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا جتنے رسول ہیں سب مرگئے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے اسواسطے کہ
مسیح علیہ السلام کے ماسوا رسولوں میں ہمارے سردار فخر موجودات علیہ الصلوۃ والتسلیمات بھی داخل ہیں
تو اس سے لازم آویگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے اترنے سے پہلے مرگئے ہوں اور یہ صریح
جھوٹ ہے اسلئے کہ یہ آیت آپکی حیات میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا الف لام کا استغراقی لے لینا ہی محال
ہوا وجہ یہ ہے کہ جسکے مان لینے سے کوئی محال لازم آوے اسکا ماننا ہی محال ہوتا ہے اسواسطے یہ نتیجہ "کہ مسیح
مرگئے ہیں" صادق نہیں ہے اجی اسکا صدق اس صورت میں تھا کہ اگر مسیح اکبر میں مندرج ہوتے لیکن
وہ تو مندرج نہیں ہیں سبب یہ ہے کہ انکا اندراج الف لام کے استغراقی ہونے پر موقوف ہے اور وہ خود ہی
باطل ہے۔ پس نتیجہ مذکورہ بھی کاذب ہوا۔ نیز دوسری آیت (جسکا معنے ابھی بیان کیا گیا ہے) صراحۃً
مسیح کے (آیت کے نازل ہونیکے وقت) زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے دیکھو اگر مسیح اس آیت کے نازل ہونے
کے وقت اموات میں داخل ہوتے تو خداوند تعالے کا یوں فرمانا چاہئے تھا کہ

علی مطلوبہ بقولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً لا یأکلون الطعام وما کانوا خالدین وتھذیب
استدلالہ انہ لو کان المسیح علیہ السلام حیاً فی السماء لزم کونہ جسداً لا یأکل الطعام
وکونہ خالداً وقد نفی اللہ تعالیٰ ذالک فان مفاد الآیۃ سلب کلی ای لا شیٔ من الرسل
بجسد لا یأکل ولا احد منہم بخالد ومن المقرر ان تحقق الحکم الشخصی مناقض للسلب
الکلی والدلیل علی کون المفاد سلباً کلیاً قولہ تبارک وتعالیٰ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد
افائن مت فہم الخالدون فانہ صریح فی السلب الکلی فاذا ثبت الرفع والسلب کلیاً بالنص
ارتفع الحکم الشخصی المستلزم للایجاب الجزئی المناقض لذالک السلب المدلول بالنص فان
احد المتناقضین لا یجامع النقیض الآخر کما لا یرتفع معہ وھذا بدیھی اقول بتوفیق اللہ
وحسن توفیقہ ان فی قولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً الخ انما ورد النفی علی الجعل المؤلف
المتخلل بین المفعولین ومفعولہ الثانی المجعول الیہ ھو قولہ جسداً لا یأکلون الخ فمدخول

کہ "نہیں بنایا ہمنے پیغمبروں کے بدنوں کو کہ وہ کہانے پینے کیطرف محتاج نہوں اور نہ ہمیشہ رہنے والے"۔ لیکن ہم
پہلے اسکے استدلال کی اصلاح کرینگے اور پھر جواب دینگے۔ کادیانی کا استدلال کہ "اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ بھی
مان لئے جاویں تو بالضرور کہنا پڑیگا کہ وہ ایسے بنائے گئے ہیں کہ وہ طعام کیطرف محتاج نہیں ہیں۔ ہمیشہ زندہ
رہنے والے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے آیت میں ان دونوں باتوں کے برخلاف ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ
ماحصل آیت کا یہہ ہے کہ نہیں کوئی ایک جسد رسولوں کے اجساد میں سے کہ وہ طعام کا محتاج نہو۔ نہیں
کوئی ایک بھی انمیں سے کہ ہمیشہ زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا ابتک زندہ ہونا جو گویا خلود ہے
عبارت ہے۔ انکی حقمیں کہنا کہ وہ وہاں پر کہانے پینے سے فارغ ہیں" یہہ ایک ایسا حکم ہے کہ صراحۃً اس سالبہ
کلیہ (نہیں کوئی جسد الخ) سے مخالف ہے۔ اس سلب کلی پر یہہ دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے
کہ یا رسول اللہ ہمنے آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مرجائینگے تو وہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہینگے۔
پس اس آیت سے صاف سلب کلی ثابت ہوا۔ اس سے یہی لازم آیا ہے کہ یہہ موجبہ جزئیہ (کہ بعض آدمی جیسے کہ
مسیح فلانے وقت سے ابتک یا فلان وقت تک زندہ ہے) باطل ہو۔ سبب یہ ہے کہ یہہ اس سالبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ قاعدہ ہے کہ
جب ایک شئے متحقق ہو تو اسکی نقیض کاذب اور غیر متحقق ہو ورنہ اجتماع النقیضین لازم آویگا حالانکہ یہہ باطل ہے
جیسا کہ دونوں نقیضوں کا متحقق نہونا باطل ہے۔ الجواب کہ آیت مذکورہ میں جو حرف نفی (ما) کا وارد ہوا ہے

كما تخيل وتخيّلوا اللازم الاختلاف بين هٰذين القولين بل قائلهما والقول بوقوع
الاختلاف في القرآن حكم بوقوع ما حكم الله بامتناعه وهذا كفر قال الله عزّ وجلّ
ومن لم يحكم بما انزل الله فأُولٰئك هم الكٰفرون والدال على امتناع الاختلاف
في القرآن قوله تعالى ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافًا كثيرًا
فبطلت ارادة استغراق الرسل وعمومه والدليل على ان الحيٰوة والموت
مختلفان ان الموت ان فسر بعدم الحس والحركة عمّا من شانه كلاهما فيقابل الحيٰوة
بتقابل العدم والملكة وان بانحياز الروح عن البدن وهو الحق الثابت بالنصوص
الشرعية والنصوص العقلية ففيهما تضاد وكل منهما اختلاف فاستقر على عرش
التحقيق ما قلنا من حيٰوة المسيح عليه السلام في الازمنة الماضية وموته فيما ياتي وهذا
ما ذهب اليه الاسلاميون باجمعهم بخلاف النصارى القائلين بوقوع موته ثمّ
احيائه ورفعه بجسده وبخلاف من هم اسوء حالًا واشوم مآلًا وهم الكائد الكاديانی
والمكيدون القائلون بوقوع موته وبعدم رفعه بجسده ثم استدل الكائد الكادیانی

بداہتہ قرآن میں تخالف اور تعارض پایا جاوے گا۔ حالانکہ ایسے امر کا قائل کافر ہے۔ اس لئے
ماننا پڑے گا کہ الرسل کا الف لام استغراقی نہیں ہے۔ شاید اس موقعہ پر کوئی شخص یہ کہدے
کہ چونکہ موت اور حیات آپس میں مخالفت نہیں رکھتی ہیں تو اگر ایک آیت سے زندگی۔ دوسری آیت
سے موت مراد رکھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات مضحکہ خیز و صبیانہ ہے
سبب یہ ہے۔ کہ اگر موت کا معنے اس چیز کا حساس ہونا کہ اسکی شان سے حساس ہونا ہے" مقصود
ہے تو موت و حیات میں بطور تقابل عدم و ملکہ کے تخالف ہوگا۔ اگر موت کا معنے بدن سے روح کا جدا
ہونا ہے" چنانچہ یہی نصوص شرعیہ عقلیہ سے ثابت ہے پس موت و حیات میں تضاد ہوگا اور ہر صورت
دو تو نمیں مخالفت پائیجاویگی۔ لہذا مسیح علیہ السلام کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا اور آیندہ میں انکی موت کا واقع
ہونا ثابت ہوا۔ اور یہی تمام معتبر اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ البتہ نصاریٰ اور کادیانی اس رائے میں مخالف
ہیں۔ نصاریٰ تو کہتے ہیں کہ مسیح مرکر زندہ ہوا اور آسمان پر چڑھا۔ کادیانی کہتے ہیں کہ مسیح مرگئے اور آسمان پر
بجسدہ نہیں چڑھائے گئے" پھر کادیانی مسیح ع کے مرجانے پر اور آیت کو پیش کرتے ہیں اسکا مضمون یہ ہے کہ

ومراد بقوله تعالیٰ وما جعلناهم جسدًا وتحقق ما عدا ذالك القيد مسلم بل مثبت
بالبراهين النقلية والعقلية القطعيتين وعدم الاكل الذى هو امر عدمى منصوب تو جيهان
بعدم اكل شئ ما اعم من ان يكون طعامًا او غيره وبعدم اكل الطعام خاصة وان وجد
معه اكل غير الطعام وعدم ذالك الانتفاء الذى اضيف الى الامر العدمى انما يتحقق بتحقق
نقيض ما اضيف اليه الانتفاء فيستلزم انتفاء ذالك العدم الذى هو فى قوة السالبة ثبوت
الاكل الذى هو فى قوة الموجبة المحصلة اذ عموم الاولى من الثانية انما هو بامكان تحققها
بعدم الموضوع وبعدم امكان تحققها حين عدمه لضرورة استدعائها وجود الموضوع
ومن البديهيات ان الموضوع فيما نحن فيه موجود وقد تقرر فى مدارك العقلاء تلازم
السالبة السالبة المحمول والموجبة المحصلة عند وجود الموضوع فلزم من قوله تعالىٰ وما
جعلناهم جسدًا لا يأكلون الطعام الذى هو بمنزلة السالبة السالبة تحقق قضية تحقق
موجبة محصلة اعنى كل رسول ياكل الطعام فيقال لمن يدعى به على اثبات موت المسيح بن مريم

فرض کر لیں تو ہر حال مقید بھی معدوم ہوگا لیکن یہ سب مفروضات صرف ممکن ہی ممکن ہیں واقع ہیں انمیں سے
کوئی بھی متحقق نہیں ہے۔ البتہ انمیں سے عدم الاکل کا منتفی ہونا گو ممکن ہے۔ واقعی بھی ہے۔ ماسوا
اسکے جتنے ہیں انکا واقع میں پایا جانا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے اسلئے انکے عدمات واقعی نہیں
ہیں۔ جب یہ سن لیا تو اسکا علم بھی ضروری ہے کہ قید عدم الاکل کا پایا جانا دو طرح ہے کہ یا کوئی چیز (خواہ
طعام ہو یا اور کچھ ہو) نہ کہائی جاوے یا خاصکر طعام ہی نہ کہایا جاوے۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ عدم الاکل
کا نہ پایا جانا تب ہی متحقق ہوگا جبکہ کہانا متحقق ہوگا۔ پس عدم الاکل کے نہ پائے جانے کو
جو سالبہ[1] سالبہ ہے موجبہ محصلہ لازم ہوا اگرچہ یہ ملازمت موضوع کے موجود ہونے ہی ہوتی ہے
لیکن یہاں تو موضوع (انبیا علیہم السلام) امر واقعی ہے۔ پھر کیا دونوں متحقق نہیں ہونگے ضرور ہونگے۔ سو اگر
ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ آیت مذکورہ (وَمَا جَعَلْنَاهُمْ) سے جو سالبہ سالبہ ہے قضیہ موجبہ محصلہ لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر
رسول طعام کہاتا ہے۔ اب کا دیانی سے مستفسر ہیں کہ اس قضیہ موجبہ میں کل اور کہانا جو ہر رسول کو ثابت ہے۔ تو

سلہ کہتے ہیں زید نے طعام نہیں کہایا ہے" یہ سالبہ جب اسپر اور نفی داخل کریں گے تو یوں کہیں گے کہ ایسا
نہیں ہے تو صریح لازم آویگا کہ زید نے طعام کہایا ہے غرضکہ جہاں ابھی پر نفی داخل ہو وہ سالبہ سالبہ ہے جہاں
زید کے لئے کہانا ثابت کیا گیا ہو وہ موجبہ محصلہ کہلاویگا ۱۲ مترجم

النفی هو الجعل المقید بهذه القیود وظاهر ان المقید ولو بالف قید لا یتصور تحققه الا بتحقق کل من تلک القیود والقیود التی ههنا هی تالیف الجعل وکون المجعول الیه جسدا مع تقییده بعدم اکل الطعام فلا بد لتحقق هذا المقید من تحقق تلک القیود الثلثة بخلاف الانتفاء فانه متصور بانتفاء جزء ای جزء کان ولا یتوقف علی انتفاء جمیع الاجزاء فینتفی ذلک المدخول للنفی بوقوع غیر الجعل موقعه وبانتفاء تالیفه بان یتعلق الجعل المفرد باحد المفعولین اما بالاول فقط واما بالثانی فحسب وبرفع خصوص المجعول الیه ووضع امر اخر فی محله وبانتفاء قید عدم الاکل ولو سلم تحقق کل قید ماعداه فرض انتفائه وبانتفاء مجموع القیود بمعنی انتفاء کل قید وبانتفاء المقید اعنی ذاتا ما مع تسلیم القیود باسرها فهذه المواد والمواقع لیست الا بالامکان لا بالفعل والا طلاق الا رفع القید الاخیر فانه واقع بالفعل

وہ تو جعل بسیط پر وارد نہیں ہوا ہے بلکہ جعل مؤلف پر جسکے لوازم سے ہے کہ وہ دو مفعولوں کے درمیان پایا جاوے ایک کا نام مجعول (بنایا گیا) دوسرے کا نام مجعول الیہ (جو کچھ بنایا گیا ہو) ہے دیکھو اس آیت میں انبیا مجعول اور جسد جو بغیر طعام کے فاسد ہوتا ہے مجعول الیہ ہے۔ پس یہاں پر نفی ایسے جعل اور بنانے پر وارد ہوئی ہے جو مقید ہے۔ پر بدیہی ہے کہ مقید گو اسکے ساتھ ہزار قیدیں لگی ہوں تبتک نہیں پایا جاتا جبتک کہ ہر ایک قید نہ پائی جاوے۔ اب یہاں تو تین قیدیں ہیں۔ ایک جعل کا مرکب ہونا۔ دوم جسد کا مجعول الیہ ہونا۔ سوم عدم الاکل کی قید۔ لہذا یہ جعل جو ان قیود سے مقید ہے جب ہی متحقق ہوگا کہ یہ سب قیود پائے جاویں البتہ کسی مرکب چیز کا معدوم ہو جانا اسکے تمام اجزا کے نابود ہو جانے پر موقوف نہیں بلکہ اسمیں اگر ایک چیز بھی نابود ہو جاوے تو اس چیز کا عدم پایا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ اگر بجائے جعل مؤلف کے جو مقید ہے اور ہی چیز فرض کیجائے یا اسکا مرکب ہونا اوڑا دیں بایںطور کہ صرف پہلے مفعول کے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ فقط متعلق ہونا مان لیں یا جسد کے مقام پر اور ہی کوئی مفعول قرار دیں۔ یا تمام قیود کا تحقق مان لیں مگر عدم الاکل یا تمام قیود یا مطلق نہ ہونے کا (باوجود مان لینے تمام قیود کے) نابود ہونا

له جعل کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بسیط ہے انکا مذہب ہے کہ خداوند تعالے نے اشیا کی ماہیتوں کو درحال بنایا ہے اور وجود تبعیت کے طور پر خود بخود ہی عارض ہوا ہے۔ مثال لوہار تلوار کو بناتا ہے اور تیزی خود بخود موجود ہو جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالی ماہیات کو موجود کر دیتا ہے۔ پس بریں تقدیر جعل اور بنانے کیلئے دو مفعولوں کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جہاں پر حضرت مصنف علام مدظلہم نے جعل مؤلف فرمایا ہے وہ ہرگز جعل بسیط نہیں ہے فتدبر ۱۲ منہ مترجم

والجوع لما لم يكن واجباً في وقت ما لم يكن المشروط به ضرورياً في وقت ما كما صرح به في كتب المنطق من ان الكتابة ليست بضرورية في حين من الاحيان فما ظنك بالمشروط بها والضرورة بشرط الشئ غير الضرورية في وقت ذلك الشئ والاول لا يستلزم الثاني كما في تحرك الاصابع بشرط الكتابة فان التحرك بشرطها ضروري وليس في وقتها بضروري وكذلك ضرورة الاكل بشرط الجوع امر وضرورته في وقت الجوع امر آخر لا تلازم بينهما فضلاً عن الاتحاد فاذا لم يكن الاكل ضرورياً في وقت ما لم تكن القضية وقتية مطلقة ولا منتشرة مطلقة فلم تكن وقتية ولا منتشرة لاستيجابها انتفاء الاعم انتفاء الاخص وكون الاكل ضرورياً بشرط الجوع لا يقتضي ان تكون القضية مشروطة ايضاً اذ المشروطة ما يوجد فيه الضرورة بشرط الوصف العنواني لا بشرط اي وصف كان ومن الظاهر ان الوصف العنواني في القضية انما هو

لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ بھوک خود ضروری الوجود نہیں ہے۔ پھر طعام کا کھانا جو اس کا مشروط ہے وہ کیسے ضروری ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جب کہدیں کہ زید کی انگلیاں لکھنے کی حالت میں متحرک ہیں۔ آیہیں لکھنا چونکہ خود کسی وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ تو جس کے لئے یہ شرط ہے وہ بھی ثابت کسی وقت میں ضروری نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتابت چونکہ کسی وقت ضروری نہیں ہے اور منجملہ اوقات وہ وقت بھی ہے جس میں کتابت متحقق ہے۔ پس جب آپ ہی اس وقت میں ضروری نہیں ہے تو انگلیوں کا ہلنا کتابت کے وقت میں کیسے ضروری ہوگا۔ ویسے کھانا گو بشرط الجوع (بھوک) ضروری ہے مگر بھوک کے وقت میں ضروری نہیں جیسا کہ ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ شاید کہو گے کہ جب یہ مانا گیا کہ طعام کا کھانا بشرطیکہ بھوک لگی ہو ضروری ہے تو یہ قول جسے قضیہ مشروطہ کہتے ہیں صادق آویگا کہ "ہر رسول کے لئے بشرط الجوع طعام کا کھانا ضروری ہے"۔ حالانکہ تمہارے واسطے مضر ہے۔ تو واضح رہے کہ مشروطہ ہرگز صادق نہیں آویگا۔ سبب یہ ہے کہ یہ مشروطہ نہیں بن سکتا۔ کیا معلوم نہیں ہے کہ مشروطہ میں یہ بات لازمی ہے کہ ضرورت بشرط اسی عنوان اور وصف کے ہو کہ جس کے ذریعہ سے موصوف پر حکم لگایا گیا ہو۔ پر ظاہر ہے کہ قضیہ مذکورہ میں وصف اور عنوان رسول کا لفظ ہے

ان نسبة الاكل لكل رسول فی هٰذه القضية هل هی بالضرورة بحسب الذات او
بحسب الوصف او فی وقت ما او فی وقت معين او بحسب الدوام ذاتا او وصفا او
بالاطلاق او بالامكان مع قيد اللادوام فی ماعدا الاول والخامس ومع قيد اللاضرورة
فی ماعدا الاول فقط علی رای او فی ماعدا الخامس ايضا كما علی رای آخر وان لم يكن بعض
التراكيب منها متعارفا ولا يعتبر قيد اللاضرورة ولا قيد اللادوام الاول والخامس
بديهی البطلان لوجود نقيض كل منها وهو امكان عدم الاكل للاول واطلاقه للخامس
وكذا الثانی والسادس لعدم مدخلية وصف الرسالة فی ضرورة الاكل او دوامه كما
لا مدخل فيهما لمعنون ذلك الوصف وكذا لا تكون ضرورية بحسب الوقت مطلقا
لا بحسب وقت ما ولا بحسب وقت معين لان غاية الامر ان يكون الاكل ضروريا بشرط الجوع

یہ اسکے لئے اُنکی ذات کیطرف نظر کرکے ضروری الثبوت ہے یا باعتبار کسی وصف کے یا ضروری الثبوت
غیر معین یا معین وقت میں ہے۔ یا یہ کہ وہ ذات کی اعتبار سے یا وصف کی جہت سے دائمی الثبوت
ہے یا تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ثابت ہو۔ یا یوں کہو کہ اس کا ثبوت انکے لئے ممکن ہے
خواہ مع قید اللادوام جیسا کہ اول اور پانچویں کے ماسوا میں۔ خواہ مع قید اللاضرورۃ جیسا
کہ اول کے ماسوا میں بنا بر ایک رائے کے یا پانچویں کے ماسوا میں بھی عند البعض باللاضرورۃ ولا دوام
کی قید کہیں بھی تسلیم نکریں۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ ضروریہ (یعنے ہر رسول کیذات کو طعام کا کھانا بالضرور
ثابت ہے) اور دائمہ (یعنی ہر رسول کے لئے اکل الطعام دائما ثابت ہے) باطل ہے کیونکہ ضروریہ مطلقہ کی نقیض
جو ممکنہ عامہ ہے متحقق ہے۔ پس لازم ہوا کہ ضروریہ باطل ہو ورنہ اجتماع النقیضین پایا جاویگا اسیطرح پر دائمہ
کی نقیض مطلقہ عامہ متحقق ہے۔ چنانچہ کہہ دیں کہ بعض اوقات میں رسول طعام نہیں کھاتے ہیں۔ اب اس
مطلقہ عامہ کو کون باطل کہہ سکتا ہے۔ یہ تو صریح صادق ہے۔ اسلئے دائمہ کاذب ہوا نہیں تو ویسے ہی
اجتماع النقیضین لازم آویگا جیسا کہ گذرا۔ ایسا ہی دوسرا اور چھٹا باطل ہے اسواسطے کہ وصف رسالت ہرگز
ضرورت یا دوام اکل کو نہیں چاہتا ہے۔ علی ہذا القیاس اکل الطعام رسول کیواسطے مطلق وقت
میں کوئی وقت ہو اور خاص ایک وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ آخر بھی تو کہو گے کہ
اکل الطعام بشرطیکہ بھوک متحقق ہو ضروری ہے۔

وانتفاء الطبيعة يدل ما يتخلل منه ذلك فرع التخلل ولا ارتياب في تنوع مراتب التخلل
باختلاف الاسباب الداخلية والخارجية ولا تحديد لمراتبه فالتخلل الذي في مرتبة
ناقصة غير التخلل الذي فوقه يجوز سلب كل منهما عن الآخر وكذلك يقال في جميع
مراتبه ان كل مرتبة عينا ها فهي مسلوبة عما تحتها وعما فوقها من المراتب وهما مسلوبات
عنها فهذا حكم اجمالي على كل مرتبة بامكان سلبها عن جميع المراتب الأخر كامكان سلب
المراتب الاخر عن تلك المرتبة وهذا فرع امكان السلب في نفس الامر اذ سلب مرتبة معينة
في مرتبة اخرى سلب مقيد والسلب في نفس الامر اعم من ان يكون ذلك السلب مقيدًا
بكونه في مرتبة اخرى او لا سلب مطلق ولا ريب في ان امكان المقيد فرع امكان المطلق ومتأخر
عنه واذا كان الامر كذلك امكن سلب التخلل راسًا فامكن انتفاء الجميع اصلا مع بقاء الشخص

یہ جو ہم بیان کر آئے ہیں کہ مجموعہ ضروری الثبوت نہیں ہے سو اسکی دلیل یہ ہے کہ درونی اور بیرونی اسباب کے
سبب اجزا گھٹتے ہیں۔ انکے قائم مقام اجزا کے چاہئیے کو مجموعہ کہتے ہیں۔ پس حیثیت گھٹنا متحقق ہوگا
تو مجموعہ کبھی متحقق ہوگی۔ پھر یہ بھی سچ ہے کہ تخلل یعنی گھٹنے کے اسباب مختلف ہونگے تو بالضرور تخلل کے
درجے بھی مختلف ہو جائینگے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ تخلل کے درجے بے شمار ہیں۔ پس نا بر آن کہیں ادنیٰ اور
کہیں اعلیٰ درجہ ایک دوسرے سے سلب کیا جا سکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ ادنیٰ تخلل اعلیٰ تخلل نہیں ہے۔ اور علیٰ
ادنیٰ نہیں غرضکہ جس درجہ اور درجہ کو مد نظر رکھیں اس سے جو ادنیٰ ہے یا اعلیٰ اسے اس درجہ معینہ سے
مسلوب کرنا جائز ہے ویسے ہی ان دونوں کو اس معین درجے سے رفع کر سکتے ہیں تو گویا اجمالاً حکم لگایا گیا
ہے کہ ہر درجہ اپنے ماسوا سے جاتے مسلوب ہونا ممکن ہے جیسا کہ باقی درجات کا سلب اس درجہ سے ممکن
ہے۔ اب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سلب مقید ہے جب یہ ممکن ہوا تو صاف ثابت ہوا کہ واقع میں بھی سلب ممکن ہے کیونکہ
وہ مطلق ہے اور مقید بغیر امکان مطلق کے ممکن نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ جو سلب واقع میں ہے وہ کیوں مطلق ہے سو
اسکی وجہ یہ ہے کہ سلب فی نفسہ کبھی درجہ میں متحقق ہونے کا لحاظ نہیں ہے لیکن سلب کے ممکن ہونے سے یہ لازم آیا کہ تخلل
کا سرے سے ہی مسلوب ہونا ممکن ہو کیونکہ نفس تخلل کا سلب ہی مطلق سلب ہے۔ اور جب تخلل کا سرے سے ہی مسلوب
ہونا ممکن ہوا پس مجموعہ کا سلب بھی سرے سے ممکن ٹھہرا۔ لہذا ثابت ہوا کہ مجموعہ خود ضروری الثبوت نہیں ہے
جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تھے۔ ہاں یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ تخلل کا سلب ممکن ہی ممکن ہے۔ نہیں بلکہ

وصف الرسالة دون وصف الجوع فلم يبق الا ان يكون بالاطلاق او الامكان
مع قيد اللادوام او اللاضرورة او بدونه والاول من كل منهما متعين بدليل
قوله تعالى وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليأكلون الطعام ويمشون في
الاسواق فيكون وجودية احد جزئيها ثابت بهذه الآية وثانيهما بما مر من البيان
وهي وان كانت مستلزمة لما عداها لكنها لكونها اخص احق بالاعتبار وينحل الى قولنا
كل رسول يأكل الطعام بالفعل ولا شيء من الرسول بآكل الطعام بالفعل وهذه القضية
لا تناقض ما ذهب اليه الاسلاميون لانه يصدق قولنا المسيح بن مريم آكل للطعام بالفعل
وليس بآكل بالفعل وما قررنا قبل من ان الجوع ليس بضروري لان الجوع خلو الباطن

نہ سمجھو کہ کا پہر کہو کہ صورت مذکورہ میں وہ کیسا منتشر وطہر بن سکتا ہے۔ بنا بریں ماننا پڑیگا کہ قضیہ مذکورہ مطلقہ[1]
یا ممکنہ عامہ ہے خواہ لادوام ولاضرورۃ کی قید لگا دیں یا نہ۔ ہاں مطلقہ اور ممکنہ عامہ اس آیت سے مستفاد ہے
جسکا یہ مضمون ہے کہ "یا رسول اکرم آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ طعام کہاتے۔ بازاروں میں چلتے پہرتے
بھی تھے" کیونکہ اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ وہ رسول ایسے کبھی مانع نہیں کہ کھاتا اور بازاروں میں چلتے پہرتے
تھے نہ یہ کہ ہر ہر وقت میں جیسا کہ ہر ہر وقت میں چلتے پہرتے نہیں تھے اور یہی مطلقہ عامہ ہے ایسا ہی طعام
کے کہانیکا انکے لئے امکان ثابت ہوا۔ پس جبکہ اس مطلقہ اور ممکنہ کو لادوام کی قید لگا دیں گے۔ تو یہ قضیہ
وجودیہ[2] ایسا ہوا۔ کہ اسکی پہلی جزو آیت مذکورہ سے ثابت ہوئی اور دوسری یعنی لادوام کا مفہوم" ہماری سابق
تقریر سے پایہ ثبوت کو پہونچی۔ البتہ اس وجودیہ کو بسبب اسکے کہ یہ ایک مقید اور خاص چیز ہے ضروریہ وغیرہ لازم ہیں
لیکن چونکہ یہ خاص ہے اور خاص زیادہ تر قابل اعتبار ہوتا ہے تو وجودیہ ہی معتبر ٹہریگا۔ اسلئے ہم اسکی دو جز لیکر قضیہ بنا کر
پہر دیکھینگے کہ وہ اسلامیوں کے عقیدہ سے مخالف ہے یا نہ۔ دیکھو ہر رسول بعض اوقات میں طعام کہاتے ہیں اور کوئی
رسول بعض اوقات میں طعام نہیں کہاتا۔ اب غور سے دیکھو کہ یہ قضیہ ہرگز عقیدہ اسلامی سے مخالفت نہیں رکھتا ہے
کیونکہ یہ قضیہ کہ مسیح بعض اوقات میں طعام کہاتے تھے اور بعض اوقات میں نہیں کہاتے تھے صادق ہے۔ آجہا صاحب"

[1] مطلقہ عامہ اس قضیہ کو کہتے ہیں کہ جسمیں محکوم علیہ پر محکوم بہ کے ساتھ تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں حکم لگایا گیا ہو۔ جیسا کہ کہیں زید کسی زمانہ میں کاتب ہے۔ ممکنہ عامہ وہ ہے جہاں پر جانب مخالف کی ضرورت سلب کر دی گئی ہو۔ چنانچہ کہیں زید بالامکان عالم ہے یعنی زید کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس قضیہ مذکورہ یوں ہوگا۔ کہ ہر رسول کے لئے طعام کا کہانا جائز ہے نہ کہانا ضروری نہیں یہ ممکنہ ہوا۔ ہر رسول کسی زمانہ میں طعام کہاتا ہے یہ مطلقہ عامہ ہوا ۱۲ مصنف مترجم

[2] [illegible] ۱۲ مصنف مترجم

الجوع اذ كما ان الفواكه في الدنيا لا تؤكل الا لحصول اللذة لا لدفع الجوع كذا طعام
الجنة ولا افتقار اليه لحصول بدل التحلل ودفع الجوع بل لا جوع ولا تحلل وانما يكون
اكله لحصول اللذة فقط فان لم تقتنع بما قلنا فطالع التيسير والوجيز وكيف لا مع انه
قد تاكد وتايد بما صح ان في الجنة بابا يقال له الريّان من دخل شرب ومن شرب لا يظمأ
ابدا ولا فرق بين الجوع والظمأ فكما لا امتناع في عدم التعطش لا امتناع في عدم الجوع
ولا يرد على ما قلنا من انه اذا امكن سلب التحلل امكن انتفاء الجوع انه احتجاج بلا دليل
اذ انتفاء العلة لا يستلزم انتفاء المعلول بدليل ما تقرر عند الاصوليين من جواز تعدد
العلل على معلول واحد فلا يلزم انتفاء المعلول بانتفاء واحد منها لجواز تحققه بتحقق علة
اخرى منها كعدم صحة الاحتجاج على الحكم بان زيدا لم يمت بانتفاء واحد من علل الموت
كما يقال لانه لم يسقط من اعلى الجبل فهذا الاستدلال غير صحيح اذ الموت كما يتحقق بالسقوط

بھوک کا اسمیں متحقق ہونا لازم نہیں آیا ہے۔ اسواسطے کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں میوہ جات محض لذت کے
لئے کھائے جاتے ہیں نہ بھوک کے لئے ویسے ہی بہشت میں جو طعام کھانے کی اجازت دیگئی ہے
اور دیا جائیگا وہ تو صرف لذت کے واسطے ہے۔ اسپر بھی اگر آپ مخالف قانع نہیں تو تفسیر تیسیر اور وجیز
کا مطالعہ کریں ایسا کیوں نہ ہو کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ
کا نام ریّان ہے اسمیں سے جو داخل ہوگا پئیگا اور جو پئیگا پھر کبھی اسکو پیاس نہیں لگیگی۔ ظاہر ہے کہ
پیاس اور بھوک میں کچھ فرق نہیں ہے پس جیسا کہ پیاس کا نہ ہونا ممکن ہوا اسیطرح پر بھوک کا نہ ہونا بھی جائز
ٹھہرا۔ سوال یہ جو آپنے کہا ہے کہ جب تحلل کا سلب ممکن ہوا تو بھوک کا عدم بھی ممکن ٹھہرا۔ یہ تو ایسی
بات ہے کہ اسپر کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علت کے نہ پائے جانے سے معلول کا نہ پایا جانا لازم
نہیں ہوتا۔ پھر کیسے آپ کہتے ہیں کہ تحلل کے غیر متحقق ہونے سے بھوک کا غیر متحقق ہونا پایا گیا ہے۔
کیوں درست نہیں کہ بھوک کے لئے اور ہی کوئی علت ہو جس کے تحقق سے اس کا بھی تحقق
لازم ہو۔ کیا زید کا نہ مرنا اگر یوں ثابت کرنا چاہیں کہ وہ پہاڑ پر سے گر کر نہیں مرا صحیح ہوگا۔
نہیں کیونکہ زید کا مرنا چھت یا درخت پر سے گرنے سے بھی متحقق ہوسکتا ہے۔
علے ہذا القیاس مرنے کے لئے اور

بل حکم الله تعالیٰ بتحقق انتفاء الجوع فی القرآن ولم یکتف بمحض امکانه وقال وعز من
قائل مخاطباً لآدم ان لک الا تجوع فیها ولا تعری وانک لا تظمؤ فیها ولا تضحی
ولیس ذلک الا لعدم التحلل کما ان عدم الضحی لعدم الشمس وحمله علی عدم دوام
الجوع او علی عدم اشتداده غیر صحیح والا لصح حمل جمیع الافعال المدخولة بحرف النفی
علی نفی دوامها او عدم اشتدادها وامثال هذا لا تصح ولا تستقیم الا لوجود ضرورة
داعیة وای ضرورة احوجتنا الی صرف اللفظ عن الظاهر وحمله علی غیر الظاهر
بحیث لا ینتقل الیه الذهن اصلاً والتمسک علی وجود تلک الضرورة بقوله وقلنا
یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة
فتکونا من الظالمین غیر مستقیم فان اطلاق الاکل واباحته لا یقتضی

خداوند تعالیٰ کی کلام سے اسکا وقوع بھی ثابت ہے اس آیت میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم تجھکو
بہشت میں نہ بھوک لگیگی اور نہ تم اسمیں برہنہ ہوگے اور نہ تمکو پیاس لگیگی اور نہ تم کبھی چاشت کا
وقت دیکھوگے۔ بھوک کا انکو بہشت میں عارض نہ ہونا اسواسطے تھا کہ وہاں تحلل نہیں تھا جیسا کہ
چاشت کا وقت آفتاب کے نہونے کے سبب نہیں تھا اگر اسکے جواب میں کہینگے کہ اس سے مقصود
یہ ہے کہ ہر وقت میں بھوک نہیں لگیگی یا سخت بھوک نہیں عارض ہوگی۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ غلط
ہے ورنہ چاہئے جہاں کہیں حرف نفی داخل ہوا ہو وہاں پر ایسا ہی مراد ہو۔ حالانکہ اس قسم کی
تجویز تب تک صحیح نہیں ہے جبتک کہ کوئی ضرورت نہ ہو - پھر یہاں پر کہیئے کہ کونسی ضرورت
درپیش ہے کہ ظاہر معنے کو چھوڑ کر ایک ایسے معنے مراد رکھ لیں کہ اسکی طرف ذہن کا انتقال
کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ضرورت یوں ثابت کریں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے آدم تم اور تمہاری
بی بی بہشت میں رہو اور اسمیں فلانے درخت کے سوا جس درخت کا پھل کھانا چاہو گے کھاؤ
تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں بھی بھوک عارض ہوتی ہے۔ لہذا جہاں پر بھوک کی
نفی کی گئی ہے وہاں سخت بھوک یا دائمی بھوک مراد رکھ لینا چاہئے" سو اس کا
جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وحوا رضہ
کے لئے بہشت میں کھانا مباح اور جائز کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے

لدخول الفاء فيصح الاستدلال على امكان انتفاء الجوع بامكان انتفاء التعلل نعم الجوع
علة للاكل بالمعنى الاخير ولذا لا يلزم من انتفاء الجوع انتفاء الاكل لجواز تحققه
بدونه بعلة غير الجوع كاستحصال اللذة وقصد علاج ونحوه وهذا واضح على من
ادنى تامل واستدل ايضا ببعض هذه الآية وهو قوله تعالى وما كانوا خالدين وبقوله تعالى
وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افائن مت فهم الخالدون وتحرير استدلاله هذا انه لو كان
المسيح عليه السلام حيا للزم ان يكون خالدا وقد نفى الله الخلود عن كل افراد البشر في
هاتين الآيتين. والجواب ان الخلود المنفي في كلتا الآيتين هو الخلود بمعنى دوام الحيوة
في الدنيا لا بمعنى طول العمر اذ لا حقيقة للخلود الا دوام الحيوة كما لا يخفى على من هو ماهر في
معاني اللغة ومفاهيم نظم القرآن قال تعالى في حق اهل الجنة اولئك اصحاب الجنة هم
فيها خالدون وفي حق الكفار اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون وعلى هذا
فمعنى الآيتين نفي دوام الحيوة في الدنيا لفرد من افراد البشر وهو نقيض الدائمة المطلقة

لدخول الفاء (اسکا معنے وہی ہے جو ابھی گذرا) علت اور سبب ہے کیونکہ کھانا بھوک کے بغیر بھی متحقق
ہوسکتا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ لذت یا کسی علاج کے واسطے کبھی کھاتے پیتے ہیں۔ کادیانی اس استدلال
کو بھی پیش کرتے ہیں کہ خداوند عز اسمہ فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں تھے نیز کہ ہمنے
یا رسول اللہ آپ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مرجائیں تو آپکے مخالف ہمیشہ رہینگے"
اس استدلال کی توضیح تنقیح اس طرح پر ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر ابتک زندہ ہوتے تو انکا ہمیشہ زندہ ہونا
لازم آویگا حالانکہ خداوند تعالے نے صاف فرمایا ہے کہ کسیکو ہمیشگی نہیں ہے" الجواب دونوں
آیتوں میں جو ہمیشگی کی نفی کی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ طویل العمر بھی نہ بنایا گیا بلکہ دراصل اسکا
معنی تو یہ ہے کہ کوئی ابدالآباد خدا کی طرح زندہ نہیں رہیگا۔ اگر اسے مخالف اپنے آگاہ ہی نہیں ہے تو کتب لغات
مفاہیم قرآن کو غور سے دیکھو دیکھتے نہیں کہ قرآن شریف میں بہشتیوں کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ بہشت میں
خالدین اور ہمیشہ رہینگے۔ دوزخیوں کے حق میں ارشاد ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ لہذا دونوں آیتوں میں جو خلود
ہمیشگی مذکور ہے اسکا معنے دوام ہے پس نفی اگر ہے تو دوام کی ہے لا غیر یہ (یعنے نہیں کوئی ایسا ہی آدمیوں
میں سے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے) دائمہ موجبہ جزئیہ مطلقہ کی نقیض ہے

من اعلى الجبل كذالك يموت اعلى سطح البيت ومن فوق الشجرة الطويلة ويضرب
من السيف والحجر وامثال ونحو امراض يستصعب احصائها فبانتفاء واحد منها
كيف يجزم بانتفاء الموت اصلا لامكان تحققه بتحقق واحد اخر من تلك الانواع و
عدم ورودة لان التحقيق ان المعلول اذا انحصر في العلة وتكون العلة لازمة له و
هي مفسرة في كتب القوم بما لولاه لامتنع الحكم المعلول فانتفائها يستلزم انتفاء المعلول
اذ لا يتصور تعدد العلل بهذا المعنى حتى يكرعند انتفاء احدها ثبوته باخرى منها فاذا لم
يجز تعدد العلة وانحصر المعلول الواحد في العلة الواحدة اللازمة له فلو تحقق المعلول
مع ارتفاع العلة بهذا المعنى لزم تحقق الملزوم بدون اللازم فالاستدلال على عدم المعلول
بانتفاء العلة بهذا المعنى استدلال بانتفاء اللازم على انتفاء الملزوم ولا ريب في صحته والتخلل
بالنسبة الى المجموع كذالك لان المتوقف عليه المجموع بمعنى لولاه لامتنع لا بمعنى الاثر المصحح

اسباب بھی ہیں جنکے عارض ہونے سے زید مر سکتا ہے پھر اگر ان اسباب میں سے ایک
سبب نہ پایا جاویگا تو کیا زید کا مرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ ہوگا ویسے ہی وہ حکم جو آپ لگا چکے ہیں
صحیح نہیں ہے۔ الجواب علت دو طرح ہے ایک یہ کہ اگر علت متحقق نہ ہو تو معلول ہرگز متحقق نہیں
ہوگا سو اس صورت میں معلول کا اس علت کے بدون پایا جانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ بایں معنے
علتیں دو تین نہیں ہو سکیں[1] پس جبکہ اس علت کا تعدد اور تکثر جائز نہیں ہے تو معلول اسی میں
منحصر ہوگا اور علت اسکو لازم ہوگی اسلئے کہ اگر معلول اس علت کے بغیر پایا جاویگا تو ملزوم کا لازم کے
بغیر پایا جانا متحقق ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے لہذا ہمارا یہ قول کہ "مجموعہ نہیں ہے کیونکہ تخلل نہیں ہے"
صحیح ہوا کیونکہ تخلل بایں معنے کہ "وہ اگر نہ متحقق ہو تو مجموعہ بھی متحقق نہیں ہوگی" مجموعہ کے لئے علت ہے
تخلل مجموعہ کیواسطے علت بایں معنی نہیں ہے کہ "وہ جسوقت پایا جاویگا تو مجموعہ بھی متحقق ہوگی (اذا وجد وجد)[2]
اذا وجد فوجد) اسلئے یہ استدلال کہ مجموعہ کا غیر متحقق ہونا ممکن ہے کیونکہ تخلل کا عدم جائز ہے" درست ہوگا۔
البتہ مجموعہ کو پانے کے واسطے یعنی مصحح

[1] کیونکہ پھر ایسا ہو یہ عبارت کہ "اگر وہ نہ ہو تو معلول ہی نہیں ہوگا" ہرگز صادق نہیں آویگی بلکہ پھر تو یوں کہنا پڑیگا کہ اس علت کے غیر متحقق ہونے کی حالت میں معلول متحقق ہو سکتا ہے ۱۲ مترجم

[2] اس قسم کی علت کو مصحح لدخول الفاء کہتے ہیں جیسا کہ خاص رکن اور تہم جہت کے لئے علت ہی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ خاص رکن ہونگے تو جہت قائم رہیگی۔ اگر انکے قائم مقام اور تہم بھی رکھ جائیں تو بھی قائم رہیگی ۱۲ مترجم

عن ضبط الموضع له غير جائز اذ ليس المحسوس صحيح حتى يصح حمله عليه والقول
بان العمر الطبيعي مائة وعشرون قول مشهور لا يوجد عليه دليل لا نقلي ولا عقلي
والمشاهدة شاهدة على خلافه والقول بتعاضده بوجود الذين تجاوزوا من مائة
وعشرين في السلف والخلف ولولا خوف الاطالة لاوردت بعضها استغربت
الا ترى انه قد صرح محققو الاطباء بعدم وجود الدليل على هذا القول المشهور
وكذا لم يوجد دليل شرعي عليه بل ورد الدليل على خلافه قال تعالى في حق نوح فلبث
فيهم الف سنة الا خمسين عاما فحمله على ما حمله الكاتب يفضي الى التناقض
بين الآيتين وبين قوله تعالى [illegible] في نوح عليه السلام فهل هذا الا سفاهة
وجهالة وزندقة وضلالة اعاذنا الله تعالى من سفاهة السفهاء وجهل الجهلاء وادخلنا
في زمرة العلماء العاملين وجعلنا من الائمة المتقين الهادين المهديين بجاه خير النبيين

روکتا ہو۔ یا پایا جاوے لیکن قرینہ تو موجود نہیں ہے البتہ اگر عمر کے واسطے کوئی معین حد ہوتی
تو بیشک یہ قرینہ تھا۔ مگر وہ بھی معین نہیں ہے بلکہ نہایت پر کہ عمر طبیعی ایک سو بیس برس ہے عمرہ
ہو جاوے تو ایک مشہور بات تحقیق سے خالی ہے اس پر نہ تو نقلی نہ عقلی دلیل ہے نیز مشاہدہ کے
برخلاف ہے کئی لوگ ایسے پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں جو اس عمر سے تجاوز ہو کر گئے
ہیں۔ خود اطباء نے بھی تصریح کی ہے کہ اس مشہور بات پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے خاصکر
شریعت نے تو صاف صاف ثابت کیا ہے کہ یہ عمر طبیعی نہیں ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں نوح
علیہ السلام [illegible] ارشاد ہوا [illegible] ہزار برس سے نو سو پچاس برس تک رہے ہیں [illegible]
[illegible] ہوگا [illegible] باطل ہے خداوند تعالیٰ
جاہلوں [illegible] اپنی پناہ میں رکھو عالموں کے زمرہ میں داخل کر کر

[illegible] ہدایت یاب مقتدا لوں
سے بطفیل اپنے حبیب محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم

الموجبة الجزئية اعني قولنا بعض البشر حي دائما وهذه قضية كاذبة قطعا ويلازم
ذلك النقيض الصريح قولنا لا شيء من البشر بحي بالفعل وهي قضية صادقة لصدق
ملزومها الثابت بقول الله عز وجل المذكور ولاستلزام تحقق الملزوم تحقق اللازم
فهذه المطلقة العامة السالبة لا تستوجب موت المسيح في الزمان الماضي خاصة اذ لا اختصاص
للاطلاق العام بزمان دون زمان بل تقتضي موته في الجملة والمسلمون باجمعهم قائلون بوقوع
موته في مبادي الساعة فالزم وثبت بالآيتين غير مناقض ولا مناف لاعتقاد كون المسيح
حيا الآن وما ينافي ذلك الاعتقاد الصحيح الحق الصريح من دوام الحيوة في الدنيا وعدم
الموت عدما مؤبدا غير ثابت بالآيتين فالثابت غير محال والمحال غير ثابت وحمل الخلود
في الآيتين على معنى طول العمر مجازا لا يصح اذ حمل اللفظ على المعنى المجازي لغير قرينة صارفة

(وہ یہ ہے کہ بعض آدمی دائماً زندہ ہیں) لیکن یہ قضیہ کاذب ہے اسلئے کہ اسکی نقیض کہ نہیں ہے کوئی بشر
بالفعل زندہ صادق ہے کیونکہ اس کا ملزوم (یعنے نہیں ہے کوئی ایک سے ہی آدمیوں میں سے الخ) جو
قرآن سے ثابت ہو حق ہے وجہ یہ ہے کہ ملزوم کے متحقق ہونے کو لازم کا تحقق ضروری ہے۔ پس یہ مطلقہ
عامہ سالبہ کہ "نہیں ہے کوئی بشر بالفعل (تینوں زمانوں میں کسی زمانہ میں) زندہ مسیح علیہ السلام کی موت کو
زمانہ گذشتہ میں مستلزم نہیں ہے کیونکہ جس چیز کا پایا جانا تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں معتبر
ہو تو اسکا خاص ماضی یا خاص مضارع میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یوں ضروری ہے کہ وہ
(جیسے موت المسیح کا) کسی نہ کسی زمانہ میں وجود ضروری ہے خواہ مستقبال میں ہو خواہ ماضی میں تو ضروری نہیں ہے
یہ ظاہر ہے کہ اہل اسلام سلفاً وخلفاً اسکے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام بعد نزول قرب قیامت کے مر جائیں گے۔ اب یہ
قرآن سے بالکل مخالف نہیں ہے کیونکہ قرآن سے تو دوام الحیوۃ کی نفی ثابت ہو جو ہمارا اعتقاد اور باقی اسلامیوں کا
عقیدہ ہے اسکے منافی نہیں ہے بنا برعلیہ ہم کہتے ہیں جو ثابت ہوا وہ محال نہیں جو محال ہے وہ ثابت نہیں سوال
دونوں آیتوں میں خلود کا معنے طول بقا بطور مجاز کے ہو جواب یہ بھی غلط ہے لہ کیونکہ اس لفظ کو وضعی اور
حقیقی معنے سے چھوڑ کر غیر حقیقی میں استعمال کرنا تب ہی جائز ہوگا کہ کوئی قرینہ جو حقیقی میں استعمال کرنے سے

لہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ سے سو برس سے زیادہ عمر نہیں ہوگی۔ سو یہ باعتبار اکثر کے ہے ورنہ یہ حدیث واقع اور
مشاہدہ کے برخلاف ہوگی نیز اس حدیث کا یہی مطلب ہر حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہم اسکی تحقیق بعض ابواب ماموری میں
کر چکے ہیں ۱۲ مستفتی جم

من یتوفی ومن یرد لان من یرد بحسب مفہومہ یندرج فی من یتوفی لانہ اخص منہ فان من یرد الی ارذل العمر لا محالۃ یدرکہ التوفی والتوفی متحقق بدون الرد ایضا کما ہو معہ فالمتوفی اعم ممن یرد وتقسیم الشئ الی نفسہ والی ما ہو اخص منہ غیر صحیح بل غیر متصور لانہ عبارۃ عن جعل الشئ الواحد الوحدۃ المبہمۃ متعددا بضم قیود متعددۃ مختلفۃ فان کانت القسمۃ اعتباریۃ کتقسیم کل ماہیۃ الی حصصہا وافرادہا الاعتباریۃ یکون التقیید بہا داخلا فی عنوانہا دون الحقائق والمعنونات والقیود غیر داخلۃ اصلا لا فی ہذہ ولا فی تلک و

اور من یرد (یعنی جو شخص ارذل العمر تک پہونچایا جاتا ہے) کے ظاہر معنے کیطرف لحاظ کرکے یہ تقسیم درست نہیں ہے بسبب ہے کہ جو ارذل العمر کیطرف مردود ہوتا ہے وہ باعتبار اپنے مفہوم کے من یتوفی میں داخل ہے کیونکہ وہ خاص اور یہ عام ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ جو ارذل العمر تک پہنچتا ہے اسکو بھی موت لاحق ہوتی ہے۔ اور موت اسکے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات اسی سے ثابت ہے۔ پس متوفی جب کہ من یرد سے عام ہو تو یہ تقسیم اسواسطے درست نہیں ہے کہ یہ ایک چیز کو اپنے آپ اور اخص پر بانٹنا ہے" حالانکہ تقسیم جب ہی درست ہوتی ہے کہ اقسام مقسم سے مغائرت رکھتی ہوں نہ کہ ایک قسم عین مقسم ہو اور دوسرا غیر بلکہ ایسی تقسیم متصور بھی نہیں ہے اسلئے کہ تقسیم کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کو بلا اسکے کہ اسمیں خصوصیت اور عموم کا لحاظ کریں"[1] اسکو مختلف قیدیں لگائی جائیں پھر اگر یہ تقسیم اعتباری ہے تو مضاف الیہ یا صفت وغیرہ کے ساتھ عبارت میں تقیید داخل ہوگی۔ معنون سے خارج جیسے مطلق سپاہی کو جب شہر کی یا گھوڑے کی یا حبشی کی سپاہی کیطرف تقسیم کریں" یا تقسیم واقعی ہوگی۔ لیکن یہ تب ہوگی کہ ماہیت کو

[1] - مثلاً کلمہ اور لفظ کو ہم بلا لحاظ خصوص اور عموم کے جیسے مرتبہ لا بشرط شے کہتے ہیں لیکر ایسا یہ قید لگا دیں کہ اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے اور کوئی زمانہ اس سے مفہوم نہ ہوئے تو یہ نام کہلاتا ہے۔ اگر اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے مگر اس میں کوئی زمانہ بھی مفہوم ہوئے تو یہ فعل کہلاتا ہے علی ہذا القیاس اور ایک قید لگائیں وہ حرف کہلاتا ہے۔ اب دیکھو کہ کلمہ مقسم ہے اور یہ تینوں اسکی قسم ہیں اسلئے تقسیم مختلف قیود لگانے سے حاصل ہوئے ۱۲ مترجم

وآله وصحبه اجمعين. واستدل ايضاً بقوله تعالى ومنكم من يتوفى و
منكم من يرد الى ارذل العمر لكيلا يعلم بعد علم شيئاً وتمسك به ان هذا
التقسيم حاصر لجميع افراد البشر كحصر الزوج والفرد لجميع افراد العدد بحيث
لا يجتمع وصفا التوفي والرد الى ارذل العمر في فرد من البشر ولا يخلو فرد من كليهما
كما لا يجتمع الزوج والفرد في عدد ولا يخلو العدد من كليهما فالقضية منفصلة
حقيقية فاذا لم يمت المسيح ولم يعرض له ارذل العمر لزم ارتفاع كلا جزئي الحقيقية
وهذا غير ممكن فهذا المحال انما لزم من فرض عدم موته فيكون باطلاً ويثبت نقيضه
وهو موت المسيح فذلك هو المطلوب والجواب انه يمكن التقسيم [illegible]

اُن کی آل و صحابہ کے بناء سے۔ کادیانی اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لیے یوں بھی دلیل پیش کرتے
ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تم میں سے ایسے بنی آدم ایسے ہیں جو ارذل عمر [illegible]
پہلے ہی اُٹھ جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کو ارذل العمر تک پہنچا [illegible]
پہنچاتے ہیں ایسا کہ وہ سیکھا ہوا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ [illegible]
کہ جس طرح جفت اور طاق عدد کے افراد کو حاصر ہے ویسے ہی مر جانا یا ارذل العمر تک پہنچنا تمام افراد
انسان کو حاصر ہے پس جیسے کہ عدد کے افراد میں جفت و طاق [illegible] خالی
ہوتے ہیں۔ ویسے ہی افراد انسان اِن دونوں سے نہ تو خالی ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں انہیں اکٹھے
پائی جا سکتے ہیں۔ پس یہ ایک قضیہ منفصلہ حقیقیہ[1] ہوا۔ اب بھی اگر تم کہو کہ مسیح علیہ السلام نہ تو مر گئے
ہیں اور نہ ارذل العمر انکو عارض ہو گئی ہے تو بداہتہً ان دونوں کا افراد انسان کے بعض سے ارتفاع
لازم آویگا۔ حالانکہ دونوں کا مرتفع ہونا باطل ہے۔ چونکہ یہ امر محال مسیح علیہ السلام کی زندگی کے فرض
کرنے سے لازم آیا تو مفروض بھی محال ہوا۔ جب زندگی محال ہوئی تو اسکی نقیض (یعنے انکا
مرنا) ثابت ہوئی۔ یہی مقصود تھا۔ الجواب من یتوفی (یعنے جو شخص مارا جاتا ہے)

[1] منفصلہ حقیقیہ جیسے کہیں کہ زید یا پہلے ہی مر گیا یا ارذل العمر تک پہنچکر مرے گا۔ اب
اسمیں یہ ضروری ہے کہ نہ تو یہ ہو کہ زید پہلے ہی مرے اور ارذل العمر تک بھی پہنچے۔ اور نہ یہ کہ
نہ وہ ہو نہ یہ۔ تنبیہاً علی قول الکادیانی ۱۲ مترجم

وبعد ورود حينئذ المتوفى مطلقا المتلازم للانسان بين قسمية كما يرد الحيوان
المنقسم الى قسميه من الناطق وغير الناطق فمحل التقسيم ومورد القسمة هو
المتوفى مطلقا والقسمان اللذان ينقسم اليهما هما المتوفى المعروض للرد والمتوفى
الذي ليس كذالك فهذا التقسيم صحيح وحاصر ويحصر المتوفى المطلق اللازم بحصر
الانسان الملزوم ولا يلزم التنافي بين القول بعدم مضى موت المسيح عليه السلام
وبين ذالك الحصر لكفاية القول بوقوع موته في الآتي لصحة ذالك الحصر وهو عليه السلام
داخل في الشق الاول من الحصر وليس من لوازم دخوله فيه مضى موته البتة
فان الشق الاول مذكور بصيغة المضارع دون صيغة الماضي ولعل المستدل
الكائد اشتبه عليه لفظ يتوفى المضارع المجهول بصيغة توفى الماضي المجهول فتفوه
بما تفوه ولم يات بشيء معقول نعم انما يلزم ابطال الحصر لو قيل بتابيد حيوته وخلوده
في الدنيا فحينئذ لا ترتفع كلا الشقين ولوجد قسم آخر من الانسان لم يوجد فيه التوفي مطلقا

جسکو رد کی حالت عارض نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ ہے کہ جسکو یہ حالت عارض ہوتی ہے۔ البتہ اس
طریق پر متوفی دونوں میں مشترک ہوگا۔ اب جسطرح کہ حیوان محل قسمت ہے۔ حیوان ناطق۔ حیوان
ناطق۔ اسکے دو قسم ہیں ویسے ہی مطلق متوفی محل تقسیم ہے اور متوفی جسمیں رد کی حالت کا عارض
نہونا معتبر ہے۔ اور متوفی کہ جسمیں اس حالت کا عارض ہونا ملحوظ ہے۔ اسکے دو قسم ہونگے مطلق
متوفی کے جو لازم ہے "محصور ہونے سے انسان کا جو ملزوم ہے" محصور ہونا متحقق ہوا۔ یہی بات کہ
مسیح علیہ السلام کا اگر زمانہ ماضی میں نہ مرنا ہی مانا جاوے تو یہ اس حصر کے منافی ہے۔ سو یہ غلط
ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام پہلی شق (یعنے متوفی سوا اسکے کہ اسکو رد کی حالت عارض نہو) میں داخل
ہے۔ پس مسیح کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا منافی حصر نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس حصر کے واسطے اتنا کافی
ہے کہ وہ زمانہ مستقبل میں مرجائیں حصر کے لوازم سے یہ تو نہیں ہے کہ وہ زمانہ ماضی میں مر گئے
ہوں کیا دیکھتے نہیں کہ شق اول بصیغہ مضارع مجہول آیت میں بیان کی گئی ہے نہ بصیغہ ماضی مجہول
شاید کادیانی مضارع و ماضی میں فرق نہیں کرتے ہیں۔ اسواسطے جو کچھ خیال میں آیا کہہ ڈالا۔ ہاں
اگر مسیح علیہ السلام کا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا مانا جاتا تو یہ حصر کے منافی ہوتا جیسا کہ ہے۔ کہ پھر

ان كانت حقيقية فاما بالمقومات المحصلة والفصول المنوعة فيكون القيود
داخلة في المعنونات وان بالعوارض المخصصة فالقيود داخلة في العنوانات دون
المعنونات وظاهر ان الانسان لو كان منقسماً الى المتوفي والمرتد لكان
انقسامه بهذين الوصفين انقسام الشيء بالعوارض المخصصة المميزة لبداهة خروج
وصفي التوفي والردة عن الانسان والتمييز لقسم انما يحصل بوصف يختص بذلك القسم
ولا يوجد في قسيمه والتوفي ليس كذلك لتحققه فيما زعمه المستدل قسيماً للمتوفي
ايضاً فاذا انتفى الاختصاص والتمييز انتفى التقسيم وان تاملت حق التامل تيقنت
بالتقسيم بين من يتوفى من غير ان تعرضه حالة الردة وبين من يتوفى مع عروضها

فصول کے ساتھ تقسیم کریں۔ مگر اس صورت میں فصل کی قید معنون میں داخل ہوگی جیسے حیوان
کو ناطق یا ناہق سے مقید کریں۔ قید مع مقید پر انسانیہ یا حماریت کا حکم لگادیں یا اگر ماہیت
کو عوارض سے مقید کرکے تقسیم کریں۔ قید کو معنون میں داخل نہیں۔ چنانچہ لکھنے والا
انسان۔ غیر کاتب انسان۔ پس صورت اولیٰ میں حیوان انسان۔ حمار کہلائے گا۔ دوسری
صورت میں زید اور عمرو وغیرہ کہلائے گا۔ یہی تقسیم ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو یہ بھی سمجھ لیں کہ انسان
کو اگر متوفی۔ مرتد کیطرف تقسیم کریں گے تو یہ تقسیم ایسے عوارض کے ساتھ ہوگی جو الگ قسم
اور خاص بنانے والے ہیں کیونکہ جو چیز کہ حقیقت سے خارج ہو وہ عرض ہے۔ پس چونکہ
توفی اور ردہ دونوں انسان کی حقیقت سے خارج ہیں عوارض ہیں۔ لیکن تقسیم میں جو یہ بات
ضروری ہے کہ اقسام آپس میں غیر ہیں۔ الگ الگ ہوں اور ہر ایک جب ہی ممتاز ہوگا کہ ایک کا
وصف دوسرے میں متحقق نہ ہو حالانکہ توفی ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ وصف اس مرتد
میں بھی متحقق ہوتا ہے۔ پس اس وصف کی ایک چیز کے ساتھ کیا خصوصیت رہی کیا تمیز
دے سکتا ہے۔ لہٰذا کاویانی نے جسکو تقسیم سمجھا تھا وہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ ہاں بلاشبہ اگر
مطلق من یتوفی کو لیکر یہ دو قسم کر ڈالیں تو صحیح ہے چنانچہ کہیں کہ ایک من یتوفی وہ ہے کہ

لہ معنون میں داخل ہونے کے یہی معنے ہیں ۱۲ مترجم

زعمہ بالخصوصات منہا حدیث المعراج الدال علی ملاقات نبینا صلی اللہ علیہ
وسلم مع ابنی الخالۃ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام فی السماء الثانیۃ وتنقیحہ انہ لو لم یکن
میتا لما اجتمع عیسیٰ مع الاموات من النبیین فی مقار ارواحہم اقول ان ہذا الاستدلال
مما یضحک علیہ البلہاء والصبیان فانہ لو کان الاجتماع معہم یستلزم موت من یجتمع
معہم لزم کون نبینا صلی اللہ علیہ وسلم میتا حین اجتماعہ معہم وہل ہذا الا خبط
او جنون ولو ادعی طول اجتماعہما وکون الاجتماع الکذائی داعیا للاتحاد بینہما
فی وصف الموت وان ہذا النوع من الاجتماع لم یوجد لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم
مع ارواح النبیین فلا یلزم کونہ مثلہم بخلاف عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام
فانہما معا مستقران فی تلک السماء فیلزم ان تکون حال احدہما کحال الآخر قلنا
منعنا المقدمتین من کون السماء الثانیۃ مقرا لکلیہما ومن کون ہذا النوع من الاجتماع
علۃ لاتحاد حالتی المجتمعین وسند المنع الاول انہ لا یلزم من ملاقات رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مع نبی اللہ یحییٰ کون یحییٰ علیہ السلام مستقرا فیہا فی تلک السماء
بل یجوز ان تکون ملاقاتہما کملاقاتہ مع جمیع الانبیاء فی الاقصیٰ بان یکون مقرہم

مدعا کے لئے حدیث معراج پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول کریم صلعم
نے دوسرے آسمان پر مسیح و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ تنقیح الاستدلال اگر مسیح علیہ
السلام مرے نہ ہوتے تو یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اموات میں داخل ہیں کیوں مجتمع ہوتے۔ الجواب:
کہ یہ قول بالکل لچر ہے کیا اگر اموات کے ساتھ مجتمع ہونا مستلزم ہے میت ہونیکو بھی چاہتا تو رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج کی رات میں اموات کے ساتھ مجتمع ہوتے تھے تو وہ بھی اس حالت میں میت ہی تھا
تھے۔ آپکو کیا مر کر معراج ہوا تھا۔ زہے دانش۔ شاید کادیانی یوں بھی کہدیں کہ مدت دراز تک میت کے
ساتھ مجتمع ہونا یہ اسکو چاہتا ہے کہ ہم جنس بھی میت ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ اولاً کہ جائز ہے یحییٰ علیہ
السلام کا دوسرا آسمان مقر نہو بلکہ اس خاص وقت میں انکو دوسرے آسمان پر مستقر ہونیکا حکم دیا گیا تھا۔
جیسا کہ رسول کریم ص کو حضرات انبیاء علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں پر خواہ ارواح متمثل
تھے یا مع اجساد بعینہا"۔ ملاقات ہوئی تھی حالانکہ ان کے ارواح

فكان محالاً لان يورد عليه بانه اما ان يوجد في ذالك القسم الخارج من القسمين الذي فرض مؤبداً ومحلاً لمطلق التوفي وهذا مع كونه بديهي الاستحالة لتنافي ابدية الحيوة والتوفي يقتضي ابطال الحصر لوجود المقسم بدون ما انقسم اليه من القسمين واما ان لا يوجد فيه بسبب انتفاء جميع موارده وارتفاع ما انحصر فيه وهذا يفضي الى القول بعدم لزوم التوفي للانسان وذالك باطل بدليل قوله تعالى كل نفس ذائقة الموت واما الى القول بجواز حصر اللازم في شئ بدون حصر الملزوم في ذالك الشئ وهو ايضاً باطل للزوم انفكاك اللازم عن الملزوم وهذه المحالات انما هي لازمة على القول بتابيد حيوته عليه السلام فيكون باطلاً ولا تلزم للقول بطول حياته مع وقوع موته في المستقبل وبينهما بون بعيد وبعد ذالك الكاذب هذه الاستدلالات من الاستدلال بالعمومات ثم استدل على

تیسری قسم کا انسان کہ جسمیں مطلقاً توفی نہیں تھا ماننا پڑتا۔ پس بریں تقدیر یہ اعتراض وارد ہوتا کہ اس قسم کے انسان میں مطلق توفی پایا جاتا ہے یا نہ۔ اگر پایا جاتا ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ ابدیت ایک تو منافی موت ہے۔ دوم اس صورت میں حصر باطل ہوتا ہے۔ اس واسطے اس صورت میں مقسم کا ان دو قسموں کے بغیر جنکی طرف اسکو تقسیم کیگئی تھی" موجود ہونا لازم آوے گا۔ اگر انسان میں مطلق توفی متحقق نہیں ہے۔ اس سببسے کہ وہاں پر اس مطلق کا محل جنمیں منحصر تھا پائے نہیں جاتے" تو اس سے دو محالونمیں سے ایک محال لازم ہوگا۔ یا یہ کہ توفی انسان کو لازم نہیں حالانکہ یہ باطل ہے اسلئے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ ہر ایک نفس موت کا مزہ چکھیگا۔ یا لازم آویگا کہ ایک لازمی امر کسی چیز میں منحصر ہو اور ملزوم اسمیں منحصر نہ ہو۔ یہ بھی محال ہے کیونکہ اس صورت میں لازم کا ملزوم سے جدا ہونا ظاہر ہے حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔ اب چونکہ یہ سب محالات اس صورت پر عائد ہوتے ہیں کہ "مسیح علیہ السلام کا ہمیشہ زندہ رہنا مان لیا جاوے" تو یہ بھی باطل ہوا لیکن یہ محالات جس تقدیر پر کہ مسیح علیہ السلام کے لئے طول بقا "مستقبل میں مرجانا" مراد لیں گے عائد نہیں ہونگے۔ اب تک کادیانی عبارات کے عموم سے استدلال کرتے تھے۔ اب اپنے

فلم یلزم المحذور وبهذا وضح انه لا یلزم من اجتماع المسیح ویحیی فی السماء کون کلیهما
مقیمین فیها فضلا عن کونهما مشارکین فی وصف الموت کما زعم وسند المنع الثانی
ظاهر فان اتحاد المکان ولو علی سبیل القرار لا یستلزم اتحاد المتمکنین فی الاوصاف
کلها فتامل یظهر لک حقیقة ما قلنا ومن دلائله الخاصة علی حسب زعمه قوله تعالی انی
متوفیک وقوله عز وجل فلما توفیتنی وما هذا فی الحقیقة الا تمویه للباطل وایهام
جهلة الناس وایقاعهم فی الضلالة والحیرة واذا حضر ان هذین القولین الکریمین لا یدلان
علی مزعومه اذ التوفی عبارة عن اخذ الشیء وافیا ومادته الوفاء ومن الاصول المقررة
والقواعد المسلمة ان اصل الماخذ بمفهومه معتبر فی جمیع تصاریفه وان اختلفت الصیغ
والابواب واعتباره فیها اعتبار الجزء فی الکل الا تری الی لفظ العلم فان معناه حصول
صورة الشیء عند العقل والاضافة بین العالم والمعلوم او نسبة ذات اضافة کذا ابتداء او

لہذا کوئی محال عائد نہیں ہو سکتا۔ اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام
کے دوسرے آسمان پر مجتمع ہونے سے دونوں صاحبوں کا آسمان دوم پر مقیم ہونا ضروری نہیں
ہے پھر یہ کب لازم آسکتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام میت تھے ویسے ہی مسیح علیہ السلام بھی ہونے چاہئیں
ثانیاً گو دو شخص ایک ہی مکان میں دائمی طور پر مقیم بھی ہوں تو کیا اس سے ان دونوں کا ہر ہر وصف
میں یکساں ہونا لازمی ہے ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ کادیانی اپنے گمان فاسد سے اس آیت کو بھی
اپنے مدعا کے لئے دلیل سمجھتے ہیں کہ اس آیت (انی متوفیک) اور دوسری آیت (فلما توفیتنی) میں خدا تعالےٰ
فرماتا ہے کہ اے مسیح میں تیرا متوفی ہوں۔ جب تو نے مجھکو توفی دی۔ لیکن در اصل یہ استدلال محض عوام بے علموں
کو ورطۂ ضلالت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ خیر بہر حال ہم اس کی تردید کریں گے۔ وہ یوں ہے کہ
توفی کا معنے لغۃً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے۔ اور اس کا مادہ (یعنے جس سے یہ لفظ
لیا گیا ہے اور اسکو ماخذ بھی کہتے ہیں) وفا ہے۔ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ ماخذ کا معنے ماخوذ کے تمام
گردانوں میں معتبر ہوتا ہے۔ گو انکی صورتیں اور صیغے مختلف ہوں۔ ماخذ کا معنے ماخوذ میں اس طرز پر داخل ہوتا ہے۔
جیسے کہ جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ دیکھو علم کا لفظ (خواہ اس کا معنے عند العقل شے کی صورت کا حاصل
ہونا۔ یا عالم و معلوم کے درمیان نسبت ہونا خواہ کہ ایک اضافت والی چیز ہے۔ یا

العليين وامروا بالذهاب الى المسجد الاقصى او الى السموت المختلفة من مقرهم
الاصلى باجسادهم بعينها او بارواحهم بالتمثل بامثال اجسادهم وكل ذلك ممكن لم
يكون مقرهم القبور كما رئى موسى عليه السلام يصلى فى قبره فامروا بالذهاب الى
الاقصى والى السموت كذلك فان قيل ان هذا القول قول بعروجه صلى الله عليه وسلم
بالعروج المثالى قلت كلا فان عروجه عليه السلام عروج عينى وقع بجسده الطاهر
الاشرف ولا يلزم من رويته المثل رويته بالمثال فان رويته الاشياء فى ليلة المعراج
تنوعت فقد راى بعض الاشياء انفسها وبعضها بامثالها كما يظهر لمن طالع ما مر
فى بيان معاملة الاسراء ذهابا وايابا وفرق بين كون المثال مرئيا وبين كونه رائيا

اعلیٰ علیین تھے یہ سب ممکنات سے ہے۔ یا یہ کہ انکا دراصل مقر قبور ہی ہیں (چنانچہ
حدیث میں آچکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے) لیکن انکو اسوقت
آسمان پر یا مسجد اقصیٰ میں جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ سوال یہ تو ہمارا عین مدعا ہے کہ معراج
مثالی ہے۔ الجواب آپکے معراج کو مثالی بیان کرنا ہی غلط ہے بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معراج
جسد عنصری لطیف کے ساتھ تھا نہ مثالی اور کشفی طور پر کیونکہ صحیح احادیث میں جو حالات آمد و
رفت کی حالت میں مذکور ہیں ان سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تھا۔ علاوہ
مثال کو دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود بھی مثال کے ساتھ ہی دیکھا ہو۔ مثال کا
مرئی ہونا اور ہے اور رائی ہونا اور ہے کیا دیکھتے نہیں کہ آپنے معراج کی حالت میں کئی
چیزوں کی مثال کو اور کئی چیزوں کو [illegible] معلوم ہو گا

۵ قادیانی کا بیان ہے کہ رسول کریم علیہ السلام کے معراج کی حقیقت یہ ہو کہ [illegible]
آپ پر مسجد اقصیٰ اور [illegible] حالات ظاہر کر دیئے گئے تھے [illegible] لکھا ہے کہ
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی یہی مطلب لکھتے ہیں۔ لیکن [illegible] مقام دکھایا گیا تو حقیقۃً
شاہ صاحب کا اور ہی مطلب ہے جو ہرگز خلاف عقیدہ قدیمہ نہیں۔ گو اس خلیفہ نے اپنے زعم میں اور ہی کچھ اپنے مطلب کے موافق سمجھا
ہوا تھا سبحان اللہ اگر ایسے مصنف ہوں تو سب متقدمین و متاخرین کو بدنام کر ڈالینگے یہ خلیفہ جی مرزا قادیانی کہتا
ہے کہ رسول کریم صلعم جسم کثیف کے ساتھ معراج نہیں ہوا" نعوذ باللہ دیکھئے کیا ادب ہے اور دعوی مجددیت کا !! [illegible]

تعدی الاثر الی ما لم یتعد الیہ فی صورتہ الاصلیۃ لمادتہ ففیھما الترکیب من جزئین ومن
المشتقات من الماخوذ منہ اعلم بصیغۃ الماضی ایضًا مثلاً ففیہ الترکیب من اربعۃ اجزاء
اثنان منھما الجزء ان اللذان تضمنھما الاعلام من مفھوم المصدر المجرد ومن خصوص
مقتضی الباب والآخران ھما النسبتان المذکورتان ففی التوفی لکونہ ماخوذًا من
الوفاء احتواء علی معنی الوفاء باعتبار کونہ ماخذًا لہ وعلی الاخذ باعتبار خصوص الباب وفی
ما اشتق من التوفی من الصیغ الدالۃ علی الزمان کتوفیت مثلاً احتواء علی اربعۃ اجزاء
ومن الصیغ الغیر الدالۃ علی الزمان کصیغۃ المتوفی الطواء علی ثلثۃ اجزاء لعدم شمولھا
علی الزمان فاحاطۃ کل صیغۃ من ھذہ الصیغ المشتقۃ علی مفھوم اصل الماخذ سواء کان
ترکیب معناھا من تلک الاجزاء ترکیبًا حقیقیًا کما ھو المشھور او ترکیبًا تحلیلیًا کما ھو الحق

نیز اسمیں باب افعال کا مقتضا جس لئے یہ متعدی ہوا (حالانکہ اسکے ماخذ میں یہ نہیں ہے) پایا جاتا ہے۔
لہٰذا اسمیں دو جز متحقق ہیں۔ اعلام سے جو علم سے لیا گیا ہے" اعلم بصیغہ ماضی معلوم مشتق ہے۔ اس لئے
اسمیں چار جزئیں ہیں ایک علم جو مصدر ہے" دوم باب افعال کا مقتضا سوم فاعل کیطرف نسبت چہارم
زمان۔ جب یہ ثابت ہوا تو پھر ضرور ماننا پڑے گا کہ توفی کے معنے میں وفا داخل ہے کیونکہ وہ وفا سے ماخوذ
ہے نیز اقرار کرنا پڑے گا کہ باب تفعل کا مقتضا جو اخذ (بمعنے لے لینا) ہے اسمیں معتبر ہے۔ پس
جو الفاظ توفی سے ماخوذ ہیں بشرطیکہ وہ زمانہ پر دلالت کرتے ہیں" چار جزؤں پر شامل ہونگے
جیسا کہ توفیت (پورا لے لیا میں نے) اور جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے ہیں انکی تین جزئیں ہونگی
دیکھو متوفی[1] اسلئے کہ اسمیں زمانہ معتبر نہیں ہے مختصرًا کہ جو جو صیغہ کسی مصدر سے لیا گیا ہو اسکا
یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماخذ و مصدر پر شامل ہو۔ گو اس ترکیب کو حقیقی کہیں یا اعتباری۔
ہاں یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے کہ اگر اس ترکیب کو تحلیلی کہیں گے حق بھی یہی ہے" تو شمول کا منع

---

[1] شاید کوئی کہدے گا کہ اسم فاعل میں تو زمانہ ضروری ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ ضروری اس
موقعہ پر ہے کہ جب عامل ہو نہ مطلقًا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آیت انی متوفیک میں جو متوفی ہے اسمیں زمانہ
معتبر ہے کیونکہ یہ یہاں پر عامل ہے" اس لئے کہ متوفی کا کاف خطاب کی مضاف ہے۔ اور کاف محلًا
مجرور ہے نہ یہ کہ متوفی کا مفعول ہے ۱۲ مترجم

الصورة الحاصلة او الحالة الادراكية او تحصل صورة الشئ على حسب تنوع آرائهم وهذا المعنی یکون داخلاً فی معانی جمیع ما اخذ من لفظ العلم سواء کان ذلک المأخوذ من تصریفات المجرد او المزید فان علم مثلاً بصیغة الماضی المعلوم معناه انه حصل للفاعل صورة الشئ المعلوم فی الزمان الماضی وهذا علی الاصطلاح الاول او حصلت له الاضافة بینه وبین ما علمه وهذا علی التفسیر الثانی وقس علی مثلنا الذی بیناه فی الاصطلاحین باشتمال مفهوم علم الماضی علی مفهوم المصدر ونسبته الی الفاعل والزمان یکون مفهومه کلاً ومفهوم المصدر جزءً اففیه الترکیب من ثلثة اجزاء وکون النسبة الی الفاعل والزمان جزئین عام فی جمیع ما اشتق من المصدر المجرد او اشتق من المأخوذ من ذلک المجرد من الافعال ولا یلزم ان یکون کل ما اشتق من ذلک المجرد او ما اخذ منه او اشتق من المأخوذ منه سواء کان فعلاً او غیره کذلک فان من مشتقات العلم العالم والنسبة الی الزمان لا تتوجد فیه ومن المأخوذ منه الاعلام وکلتا النسبتین لا توجدان فیه لا نسبة الفاعل ولا نسبة الزمان بل فیه مفهوم الاصل المجرد وما اقتضاه خصوص هذا الباب الذی بذلک

خود صورت حاصلہ یا دانش ہے یا شی کیصورت کا حاصل کرنا وغیرہ) کو کسی غرض سے اسکو لو۔ وہ ضرور اسکے ماخوذ میں پایا جاویگا وہ ماخوذ ابواب مجردہ سے ہو یا مزیدہ سے مثلاً عَلِمَ (جان لیا اُسنے) ماضی معلوم کے ساتھ اسکا معنے پہلی اصطلاح کے موافق یہ ہے کہ فلانے نے فلانی چیز کیصورت زمانہ گذشتہ میں اپنی عقل میں حاضر کی دوسری اصطلاح کے مطابق فلانے کو اپنے آپکے اور معلوم کے درمیان ایک نسبت (عالمیۃ معلومیۃ) حاصل ہوگئی ہے اسیطرح پر اور مثلیں چلی رہی کرو تو ہر ایک میں یہی پائینگے جو ہم بیان کر آئے ہیں پس جبکہ علم کا لفظ جو صیغہ ماضی معلوم ہے اپنے مصدر اور ماخذ پر بھی شامل ہوا تو اسمیں تین جزؤں سے ترکیب ہوگی ایک مصدر دوم زمانہ سوم فاعل کیطرف نسبت لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ دو چیزیں ایک نسبت دوم زمانہ ہر ایک میں خواہ مصدر مجرد سے لیا گیا ہو یا اُس سے جو اس مجرد سے لیا گیا ہے ماخوذ ہو متحقق ہونگے البتہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک ماخوذ میں پایا جاوے نہیں بلکہ فعال میں یا نہ غیر میں دیکھو علم سے عالم ماخوذ ہے مگر اسمیں فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کی جانب ہاں اتنا تو ہے کہ اسکا ماخذ یعنے علم اسمیں موجود ہے ایسا ہی اِعلام (سکھانا) جو اسی علم سے ماخوذ ہے اسمیں نہ فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کیجانب ہاں اسکا ماخذ اسمیں موجود ہے

والثاني بدخول جزء المشتق في المشتق فان وضع المشتقات وضع نوعي كما يقال
كل لفظ على وزن مفعول فهو يدل على من وقع عليه الفعل فاذا لم يكن بد ان يكون المعنى
معنى حقيقيا حال كونه مركبا من تحقق كل جزء من اجزائه ويكفي في ارتفاعه وتحقق المعنى
المجازي انتفاء واحد من تلك الاجزاء لانه كما ينتفي الكل بانتفاء جميع الاجزاء ينتفي بواحد
منها وذلك ظاهر وهذا التحقيق يدل دلالة واضحة بينة على ان التوفي هو الاخذ
بالوفاء والتمام وذلك معناه الحقيقي لتحقق جميع ما لا بد منه للمعنى الحقيقي بهذا اللفظ من
مدلول الوفاء والاخذ ونسبته الى الفاعل ففي قوله تعالى خطابا لعيسى بن مريم عليه السلام
يعيسى اني متوفيك ورافعك يكون معناه على الحقيقة ان يا عيسى اني اخذك بالكلية
وبالتمام وكذا المراد في قوله تعالى حكاية عنه فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم هو الاخذ بالتمام

دوسرے کی مثال مشتق کی جزو کا اسمیں داخل ہونا۔ کیونکہ یہ دخول بوضع نوعی ہے جیسا چنانچہ کہا جاتا
ہے کہ ہر لفظ جو مفعول کے وزن پر ہو وہ اسپر دلالت کریگا کہ جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ لہذا حقیقی معنے
جب کہ مرکب ہو وہ تا وقتیکہ تمام اجزا متحقق نہ ہولیں حقیقی نہیں کہلائیگا۔ اسکے مرتفع
ہو جانے۔ مجازی بننے کے لئے ایک جزو کا بھی منتفی کافی ہے۔ کیونکہ کل کا انتفا جیسے کہ تمام اجزا
کے منتفی اور معدوم ہو جانے سے ہو جاتا ہے ویسے ہی اسکا انتفا کسی ایک جزو کے نابود ہو جانے
سے ہوتا ہے۔" آپ دیکھیں یہ تحقیق سابق واضح طور پر اسپر دلالت کرتی ہے کہ متوفی وا لے
پورے طور پر لینے والا ہے"۔ لا غیر۔ یہی متوفی کا حقیقی معنے ہے کیوں نہ ہو کہ جس کی [illegible] متوفی کے
کو ضرورت ہے وہ پا لیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ایک وفا دوم لے لینا سوم فاعل کی طرف نسبت۔
پس آیت (یعیسی انی متوفیک) جس کا مضمون یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تیرا
متوفی اور اپنی طرف تیرا اٹھا لیجانے والا ہوں" کا یہ مطلب ہے میں تجھ کو
پورے طور پر لینے والا ہوں۔ ایسا ہی آیت فلما توفیتنی
الخ سے بھی پورا اور تمام کا لے لینا مراد ہے
لیکن مسیح علیہ السلام پر جو پورا اور
تمام قبض ہونا

التحقیق بالتامل الدقیق لحاطة الکل علی الجزء وان کانت هذه الاحاطة علی الاحتمال الثانی الراجح یؤل الی الاحاطة بمعنی صحة انتزاع الجزء التحلیلی من الکل کذلک فاذن المعنی الذی یراد من التوفی او مما اشتق منه فهو علی تقدیر کونه مجردا عن معنی الوفاء لا یکون معنی حقیقیا للفظ التوفی او المشتق منه لان التجرید عن بعض اجزاء الموضوع له تجرید عن کله ولا یلزم تحقق الکل مع انتفاء الجزء او تحقق ما هو فی حکم الکل مع انتفاء ما هو فی حکم جزئه وذا باطل بالبداهة فاذا لم یکن ذلک المعنی المراد معنی حقیقیا لذلک اللفظ لابد ان یکون معنی مجازیا اذ اللفظ المستعمل فی المعنی لا یخلو عن الحقیقة و المجاز ولا یختص ذلک الحکم بارتفاع مفهوم المأخذ فحسب بل یحکم بالمجازیة فی کل صیغة بانتفاء کل جزء ای جزء کان من الاجزاء المعتبرة فی تلک الصیغة سواء کان دخول ذلک الجزء فیها بالوضع الشخصی او بالوضع النوعی بمثل الاول باللبنات فی الجدران

یہی ہوگا کہ اس جزو اعتباری کا اس عبارت کی کل سے اعتبار کر لینا جائز ہے۔ پس اگر توفی کا معنے وفا کو چھوڑ کر لیے جائیں گے تو یہ حقیقی نہیں ہوگا۔ اسواسطے کہ موضوع لہ کے بعض اجزا کو الگ کر دینے سے کل ہی سے تخلیہ لازم آتا ہی نہیں تو باوجود انتفاء جزء کے کل کا تحقق چاہئیے (یہ اس صورت میں ہے کہ ترکیب حقیقی ہو) یا لازم آوے گا کہ جو حکما کل ہے وہ حکمی جزء کے بغیر متحقق ہو۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ مجازی معنے ہوگا۔ آخر یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ کا استعمال یا حقیقۃً یا مجازا ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال نکرنا کہ ماخذ ہی صرف معتبر نہ ہوگا تب ہی مجازی ہوگا نہیں بلکہ کوئی جزء ہو جبکہ اسکا انتفاء مان لیں گے وہ مجازی ہی ہوگا خواہ اس جزء کا دخول وضع شخصی یا وضع نوعی کے ذریعہ سے ہو پہلے کی مثال اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا۔

سلہ وضع کا معنے یہ ہے کہ ایک لفظ یا شئے کو کسی مفہوم کے واسطے معین کر دینا۔ رہا یہ کہ شخصی کیا ہوا اور نوعی کیا سو واضح ہو کہ شخصی میں وضع اور موضوع لہ دونوں خاص ہوتے ہیں جیسا کہ زید کا لفظ ذات زید کے لئے موضوع ہے اب یہاں وضع اور موضوع لہ بھی خاص ہیں۔ پس یہ وضع شخصی ہوا یا لفظ دیوار کا خاص دیوار کے لئے موضوع ہے یہ بھی شخصی ہوگا اور اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا بھی اسی شخصی وضع کے ذریعہ ہی ہو کیونکہ وہ دیوار میں جزء کی طرح داخل ہے اور وہ دیوار موضوع لہ بوضع شخصی ہے۔ وضع نوعی وہ ہے جو حضرت مصنف علام مدظلہم نے خود بالتصریح فرمایا ہے غرضکہ جس طرز پر جناب فرماتے ہیں یا جس طریق پر جیسا وضع ہو تو وہ نوعی کہلاتا ہے ۱۲ اصلاح جم

الوضع وضعًا شخصيًّا او وضعًا نوعيًّا فان استعمل اللفظ في المعنى الموضوع له الشخصي او النوعي كان حقيقة والا كان مجازًا والمشتقات لتركبها من مادة وهيئة موضوعتين اولهما بالوضع الشخصي وثانيتهما بالوضع النوعي تكون دلالتها على معنى اصل المبدأ بمادتها بالوضع الشخصي وعلى مفهومها التركيبي بوضعها النوعي وبكونها مركبة بهذه الصفة لابد لكونها حقيقة من تحقق كلا الوضعين ولا يكفيها في كونها حقيقة تحقق احدهما فقط بخلاف مجازيتها فانها تتصور بانحاء ثلثة بانتفاء الوضع الشخصي فقط كمجازية الناطق في معنى الدال بصرف لفظ النطق الموضوع بالوضع الشخصي عن معناه الحقيقي الى معنى الدلالة وبانتفاء الوضع النوعي فقط كاطلاق لفظ القائلة على المقولة مع بقاء اصل المعنى المصدري وبانتفاء كليهما كما لو اطلق الناطق واريد به المدلول فلفظ متوفيك او لفظ توفيتني

نوعی ہوگا۔ یا شخصی۔ بہرحال لفظ کو جب ان دونوں میں کسی وضعی معنے میں استعمال کریں گے۔ تو وہ حقیقی استعمال ہوگا۔ ورنہ مجازاً ہوگا۔ پس مشتقات جو ایسے مادہ اور ہیئت ترکیبی سے کہ انہیں سے پہلا بوضع شخصی موضوع ہے۔ دوسرا بوضع نوعی مرکب ہیں۔ بسبب اس ترکیب کے مبدا پر باعتبار مادہ بوضع شخصی اور معنی ترکیبی پر بوضع نوعی دال ہیں۔ نیز جب اسطرز پر ہونگے تو استعمال حقیقی اسیصورت میں ہوگا۔ کہ دونو وضع متحقق ہوں نہ صرف ایک ہی تحقق ہو تو پھر بھی حقیقی ہی ہوگا۔ البتہ مجاز تین صورتوں میں پایا جاسکتا ہے۔ ایک جبکہ وضع شخصی نہ ہے۔ دیکھو ناطق اسکے مبدء کا موضوع لہ دراصل بوضع شخصی ادراک کلیات وجزئیات ہے جب اسی دال مراد لینگے تو یہ استعمال مجازی ہوگا۔ ایسا ہی جب وضع نوعی کو اٹھا دیویں۔ دیکھیو قائلہ جب کہ اس سے مقولہ مقصود ہو۔ گو اسمیں قول جو اسکا مصدر ہے اپنے اصل معنے پر دال ہے۔ مگر باعتبار اسکے کہ اسمیں وضع نوعی منتفی ہوا ہے مجازی ہوگا۔ اگر دونوں کو اٹھا دیویں نیز مجازی ہوگا۔ دیکھو ناطق سے جسحالت میں مدلول مراد رکھ لینگے کیونکہ ناطق "مدلول" کے لئے نہ تو بوضع نوعی اور نہ بوضع شخصی موضوع ہے اسلئے مستفسر کا لفظ متوفیک یا توفیتنی

[1] دیکھو متوفی مشتق ہے اسکا اصل ماخذ وفا ہے اور یہ لفظ تو اپنے معنے پر بوضع شخصی دال ہے۔ رہی ہیئت جو حروف کے آپس میں ملجانے سے پیدا ہوگی ہے وہ اپنے معنی مرکب پر بوضع نوعی دال ہے جیسا کہ کہیں ہر لفظ جو متفعل کے وزن پر ہو وہ تین چیزوں کے مجموعہ پر دال ہوگا ایک ماخذ دوم باب سوم استفادہ دوم نسبت الفاعل۔ ظاہر ہے کہ متوفی کا یہی مجموعہ ہے متفعل

وهٰذا لا يوجد الا في الرفع الجسدي لانحصار الاخذ بتمامه في هٰذا الرفع دون الرفع الروحي لانه اخذه ببعضه دون كله فاطلاق التوفي مع كونه محمولا على الحقيقة على الرفع الروحي غير جائز نعم لو اريد بالتوفي اخذ الشيء مجردا عن معنى الوفاء والتمام بان يكون عدم الوفاء ماخوذا فيه او بان لا يكون الوفاء معتبرا فيه سواء قارنه او لم يقارنه و اعتبار عدم الوفاء يغاير عدم اعتبار الوفاء فحينئذ يصح اطلاقه على الرفع الروحي لكن على الاول يكون اطلاقه عليه من قبيل اطلاق الكل على الجزء وعلى الثاني من قبيل عموم المجاز والفرق بين اعتبار عدم الشيء وبين عدم اعتبار ذلك الشيء انما هو بالخصوص والعموم وكل من هٰذين الاطلاقين اطلاق مجازي لا يصار اليه الا بقرينة صارفة عن ارادة معناه الحقيقي الاصلي والقرينة غير موجودة فلابد من ان يحمل على الحقيقة دون المجاز ومن المعلوم ان مدار كون اللفظ حقيقة ومجازا انما هو الوضع مطلقا اعم من ان يكون

صادق آوے گا تب ہی ہے کہ وہ بجسدہ اٹھائے گئے ہوں نہ اگر انکی روح ہی صرف اٹھائی گئی ہو اسلئے کہ خالی روح کا اٹھایا جانا تو تمام پر قبضہ نہیں بلکہ ایک حصہ پر قبضہ ہوا پھر با اینہمہ اگر کہو گے کہ توفی کا اطلاق رفع روحی پر حقیقی ہے تو یہ ناجائز ہے ہاں اگر یوں کہدیں کہ توفی کا معنے لے لینا ہے مگر اس طرح پر کہ وفا سے مجرد ہے خواہ یوں کہ وفا کا عدم اسمیں اعتبار کیا گیا یا وفا اسمیں معتبر نہیں پھر وفا اسکو کبھی مقارن ہو یا کبھی مقارن نہوتا ہو۔ وفا کے عدم کا اعتبار ایک چیز ہے۔ وفا کے اعتبار کا عدم اور چیز ہے تو بنابراں توفی کا اطلاق رفع روحی پر صحیح ہوگا۔ مگر پہلی صورت میں کُل کا اطلاق جزء پر ہوا۔ دوسری صورت میں عموم مجاز ہوگا[۱] رہی یہ بات کہ کسی چیز کے عدم کے اعتبار اور اس چیز کے اعتبار کے عدم میں کیا فرق ہے سو یہ فرق ہے کہ پہلا خاص دوسرا عام ہے پس جو کچھ ہے سو ہے۔ مگر یہاں شبہ نہیں کہ دونوں تقدیر پر یہ معنے مجازی ہے نہ حقیقی لیکن مجازی لے لینا تو جب ہی جائز ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ اسکے ہوتے حقیقی لینا جائز نہو۔ ہاں یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے پھر کہو کہ یہ مجازی لے لینا کیونکر درست ہوگا۔ لہٰذا حقیقی ہی مراد لینا لازم ہوا نہ مجازی۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی و مجازی کا مدار وضع ہے۔ خواہ وہ

---

(۱) عموم مجاز اسکو کہتے ہیں کہ لفظ سے ایک ایسا معنے مراد لیا جاوے کہ وہ حقیقی اور مجازی کو شامل ہو جیسا کہ حضرت مصنف تقدس آیہ دام ظلہم نے فرمایا ہے کہ اسکو وفا مقارن ہو یا نہ ہو اب جہاں پر مقارن ہوگا وہ حقیقی اور جہاں پر مقارن نہیں ہوگا وہ مجازی کہلائیگا۔ تو یہی عموم کا معنے ہے ۱۲ مترجم

تقسیم اللفظ الی الحقیقة والمجاز لعدم امکان وجود المجاز علی هذا التقدیر وانما
ادعینا ان لفظ التوفی حیث وقع فی القرآن بمعنی الاماتة فانما وقع مع القرینة لا بدونها
فان حمل التوفی علی الموت فی قوله تعالی ثم یتوفٰهن الموت بقرینة اسناده الی الموت
وفی قوله عز وجل قل یتوفٰکم ملک الموت الذی وکل بکم وفی ان الذین توفٰهم الملٰئکة
ظالمی انفسهم وفی تتوفٰهم الملائکة ظالمی انفسهم وفی تتوفٰهم الملٰئکة طیبین وفی توفته
رسلنا وفی رسلنا یتوفونهم وفی یتوفی الذین کفروا الملٰئکة وفی قوله تعالی فکیف اذا توفتهم
الملٰئکة یضربون وجوههم اسناده الی الملک الموکل فی الاول وفی الباقیة من آیاته
الشریفة اسناده الی الملٰئکة القابضة للارواح قرینة صارفة وفی قوله تعالی وتوفنا مع
الابرار سوال المعیة بالابرار وفی قوله عز وجل توفنی مسلما سوال حسن الخاتمة قرینة

بنا بر اسناد ہے کے تو مجاز ممکن بھی نہیں ہے۔ بیشک ہمارا دعوی کہ قرآن شریف میں کہیں بھی توفی کا
لفظ بلا قرینہ موت میں مستعمل نہیں کیا گیا ہے۔ ثبوت طلب ہے لیکن ثبوت تو موجود ہے۔ دیکھو یہ آیت
(یتوفٰہن الموت) یعنے وہ مرتے ہیں لیکن یہاں موت کا قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ توفی کو موت کی
طرف اسناد کیگئی ہے۔ نیز اور بھی بہت آیتیں ہیں کہ جنمیں توفے سے موت ہی مراد ہے۔ مگر ہر آیت میں
موت کا قرینہ موجود ہے (دیکھو یتوفٰکم الموت۔ ان الذین توفٰہم الملائکة تتوفٰہم الملائکة۔ یتوفٰہم الملائکة
طیبین۔ توفتہ رسلنا۔ رسلنا یتوفونہم۔ یتوفی الذین کفروا الملائکة۔ فکیف اذا توفتہم الملائکة۔ یعنی کہو کہ ملک الموت
موت کا مزہ چکھا دیگا۔ وہ لوگ کہ ملائکة الموت نے انکو موت کا مزہ چکھایا۔ موت کا ذائقہ انکو ملائکة الموت چکھا دینگے
انکو ملائکة الموت مارکر کیسا انہیں موت کا مزہ دکھا دینگے۔ ہمارے فرستادوں نے انکو مارا۔ ہمارے فرستادے یعنی ملک الموت انکو ایسے
کافروں کو ملائکة الموت ماریں گے۔ کیا ہوگا جس وقت کہ انکو ملائکة الموت ماریں گے۔ دیکھو ان سب آیتوں میں بلا قرینہ توفی کی موت
نہیں لیگئی۔ دیکھو قرائن۔ پہلی آیت میں ملک الموت کیطرف توفی منسوب ہے اور یہی قرینہ ہے اور باقیوں میں قبض ارواح
ارواح فرشتوں کیطرف توفی کو اسناد ہے۔ اور یہی قرینہ موت ہے۔ ایسا ہی اس آیت میں (وتوفنا مع
الابرار) جسکا معنے یہ ہے کہ ہمکو مارکر نیکوں کے زمرہ میں داخل کر" ابرار کے ساتھ کی التجا قرینہ موت ہے۔
آیت (توفنی مسلما) کہ اے خداوند تعالے ہمکو اسلام پر مار" میں حسن خاتمہ کا سوال قرینہ موت ہے۔

آیت

ان حمل على معنى الاخذ بالتمام الذى لا يكون الا برفع الروح والجسد يكون حقيقة لتحقق مدار الحقيقة من كلا الوضعين وان حمل على معنى لم يندرج فيه معنى الاخذ بالتمام سواء جرد عنه بان يكون عند مرقيدا للاخذ او بان يرسل الاخذ ولم يعتبر معه قيد التمام وجد فيه التمام اولم يوجد يكون مجازا لصرفه عن معناه الموضوع له بالوضع الشخصى ومن المقررات والمسلمات ان المصير الى المجاز بلا قرينة صارفة غير جائز فتعين المصير الى الحمل على الحقيقة ودعوى تبادر التوفى فى معنى الاماتة وجعل التبادر قرينة لكونه حقيقة فى الاماتة غير مسلم لانه لو اريد بتبادره فى هذا المعنى التبادر مع عدم القرينة فذلك اول النزاع ولم يوجد فى القران فى موضع من موارد هذا اللفظ استعماله فى هذا المعنى بغير قرينة وان اريد به التبادر مع القرينة فذلك مسلم ولكن علامة الحقيقة هى تبادره مع العراء عن القرينة لا مع انضمامها والا يكون كل مجاز مستعمل حقيقة فلم يصح

اس کو کسی معنی پر محمول کریں گے۔ کونسا معنے اس سے مراد لیں گے۔ اگر پوری طور پر لے لینا مراد ہے تو یہ روح وجسد دونوں کے اٹھائے جانے کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ استعمال حقیقی ہو گا۔ کیونکہ حقیقت کا مدار وضع شخصی اور نوعی پر ہے سو وہ پایا گیا ہے۔ اگر یہاں اخذ کو مراد رکھینگے اور تمامیت کی قید مجرد سمجھینگے خواہ یوں کہ اخذ کے لئے تمامیت کا عدم قید ہے یا مطلق طور پر لینگے یعنی اسکے ساتھ تمامیت کی قید لگی ہو یا نہ تو ان صورتوں میں یہ استعمال مجازی ہو گا۔ اسلئے ان تقدیروں پر لفظ کا موضوع لہ بوضع شخصی سے ہٹانا متحقق ہو گا لیکن یہ بات مسلمات سے ہے کہ حقیقی معنے کو قرینہ صارفہ کے بغیر چھوڑ کر مجازی کو اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اور قرینہ یہاں پر موجود نہیں ہے۔ پس لامحالہ حقیقی معنے ہی لینا پڑے گا۔ ہاں یہ جو تم کہتے ہو متوفی سے مارنا ہی سریع الفہم ہے۔ سریع الفہم ہونا ہی قرینہ ہے" نیز مسلم نہیں ہے اس لئے کہ یا تو کہو گے کہ توفی سے بلا قرینہ مارنا۔ مرنا متبادر ہے سو یہ تو پہلا ہی جھگڑا ہے۔ قرآن شریف میں تو کہیں بھی "توفی" اور "متوفی" کا لفظ مرنے مارنے میں بلا قرینہ مستعمل نہیں ہوا ہے۔ یا کہو گے کہ نہیں "توفی" اور "متوفی" سے مرنا۔ مارنا مع قرینہ متبادر ہے۔ البتہ یہ مانا۔ لیکن حقیقی کی نشانی تو یہ ہے کہ وہ بلا قرینہ ہی متبادر ہو نہ مع قرینہ ورنہ سب مجازات حقیقی ہی بن جائینگے۔ لہذا لفظ کی تقسیم حقیقت ومجاز کی طرف صحیح نہ ہو گی کیونکہ

والاماتة كلتاهما مرادتان لا بطريق الجمع بين الحقيقة والمجاز لما تقرر من امتناعه في الاصول ولانه ليس شئ من الاماتة والاماتة معنى حقيقيا للفظ التوفي حتى يلزم ذلك من اجتماعه مع الآخر ولا بطريق عموم المجاز كما في قول القائل لا يضع قدمه في دار فلان فانه يحنث سواء دخل من غير وضع القدم كما اذا دخل راكبا او مع الوضع كما اذا دخل ماشيا حافيا وسواء دخل في الدار المملوكة لفلان والدار المستعارة او المستاجرة لفلان ولا يخصص هذا القول بمعناه الحقيقي حتى ينحصر حنثه في الدخول حافيا وفي الدخول في الدار المملوكة لفلان ولا بالمعنى المجازي حتى ينحصر حنثه في الدخول في غير الدار المملوكة لفلان وفي الدخول غير حاف بل يعم بالدخول مطلقا في دار فلان بان كانت مسكونة له سواء كانت تلك السكونة بالملك او بالعارية او الاجارة وليس ذلك الا على سبيل ارادة معنى اعم يشتمل على المعنى الحقيقي والمجازي كليهما وهذا هو عموم المجاز وارادة كلتيهما

مگر نہ اسطرح پر کہ اس سے حقیقی و مجازی دونوں اکٹھے مراد لیئے جاویں کیونکہ حقیقت و مجاز کا اجتماع ناجائز ہے۔ دیکھو کتب اصول وغیرہ۔ دوم اسلئے بھی یہاں جمع نہیں ہے کہ مارنا یا سولانا اسمیں سے کوئی ایک بھی توفی کا حقیقی معنے نہیں ہے اسواسطے یہ جمع لازم نہیں آتا اور نہ توفی سے مارنا اور سولانا عموم مجاز کے طور پر مراد ہے جیسا کہ کوئی شخص قسم کہائے کہ میں فلاں مکان میں پاؤں قدم نہیں دہرونگا۔ اب یہ شخص خواہ گھوڑے پر چڑھکر اسمیں داخل ہو۔ یا اسطرح جیسا کہ کہا تہا۔ یا وہ مکان اسی کا ملک ہو۔ یا کرایہ پر۔ یا استعارہ کے طور پر ہو۔ بہرحال حانث ہوگا۔ یہ قول حقیقی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکہتا ہے۔

پس اس کا حانث ہونا اسی پر موقوف نہیں ہوگا۔ کہ وہ گھر فلاں کا مملوک ہی ہو۔ اور اسمیں ننگے پاؤں ہی داخل ہو بلکہ بہرحال حانث ہوگا۔ ایسا ہی اس کا قول مجازی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکہتا ہے تا کہ کہا جاتا کہ وہ جب فلانے کے غیر مملوک مکان میں یا جوتا پہنکے ہی یا سواری پر ہی چڑھکر داخل ہوگا۔ تو حانث ہوگا ورنہیں تو نہیں بلکہ بہرحال حانث ہوگا۔

خواہ حقیقی معنے پایا جاوے یا مجازی۔ چنانچہ گذرا۔ آیت مذکورہ میں

توفے سے سولانا۔ مارنا جبکہ بطریق عموم

مجاز بھی نہیں۔ تو لامحالہ

كذلك وفي قوله وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ قرينة التقابل
اذ ما يعتبر في احد المتقابلين يعتبر عدمها في المتقابل الآخر كما اعتبر الانتقال التدريجي في
الحركة وجودًا وعدمًا في ضدها اعني السكون ولا ريب ان الحيوة معتبرة في نرينك اذ لا رائة
بدون حيوة الرائي غير متصور فيعتبر عدمها في مقابله وهو نتوفينك وفي قوله تعالى
والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجًا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرًا قرينتان
احدهما ويذرون ازواجًا والاخرى يتربصن وكذا في قوله تعالى والذين يتوفون منكم
ويذرون ازواجًا وصية لازواجهم الاية قرينتان اولهما هي اولهما في الاية السابقة وثانيتهما
لزوم الوصية وكذا التقابل في ومنكم من يتوفى وقيد حين موتها في قوله تعالى الله يتوفى
الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها قرينة على المعنى المجازي وفي هذه الاية الاماتة و

(فاما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک فالینا یرجعون) یعنے یا رسول اکرم یا تو ہم آپکو وہ بعض امور کہ
جنکا ہم کافروں کو وعدہ دیتے ہیں دکہا وینگے یا موت کا ذائقہ آپکو چکہائیں گے پہر ہماری طرف لوٹینگے"
اسمیں مقابلہ قرینہ ہے کیونکہ اگر ایک میں متقابلین میں سے کسی چیز کا وجود معتبر ہو. تو دوسرے میں اس
چیز کا عدم معتبر ہوتا ہے. کیا جانتے نہیں کہ حرکت میں جو سکون کی ضد ہے. بتدریج منتقل ہونا معتبر ہے
اور اسکے ضد میں یعنی سکون میں اس انتقال کا عدم معتبر ہے. پس چونکہ آیت مذکورہ میں دکہانے (ارئت)
کا مقابل نتوفینک (ہم تجہکو ماریں گے) مقرر کیا گیا ہے. ا رائت میں زندگی کا وجود معتبر ہے. تو بالضرور
اسکے مقابل یعنے نتوفینک میں اس زندگی کا عدم معتبر ہوا ورنہ تقابل کیسا ہوگا. یہی قرینہ موت ہے اسیطرح
آیات ذیل میں قرائن موجود ہیں (دیکہو والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیۃ لازواجہم. والذین یتوفون
منکم ویذرون ازواجًا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرًا) یعنے جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں. تو وہ
بیبیاں چار مہینہ اور دس دن عدۃ الموت کاٹیں. جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں تو انپر ازواج کے لئے
وصیت کرنا لازم ہے" اب دیکہئے دوسری میں موت کے دو قرینہ ہیں ایک بیبیوں کو چہوڑ مرنا. دوم عدت الموت کا
کاٹنا پہلی میں بہی دو قرینہ ہیں ایک بیبیوں کو چہوڑ مرنا دوسرا وصیت کا لازم ہونا آیت (ومنکم من یتوفی) میں بہی
تقابل قرینہ ہے. یہی آیت (اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا) یعنے خداوند تعالی ارواحکو موت کیوقت
میں لے لیتا ہے" ملخصًا اسمیں حین موتہا قرینہ ہے" یاد رکہو کہ اس آیت میں مارنا. سولانا. دونوں مراد ہیں

ارتفاعهما وهو السماع العادي الذي لا يمكن الا بقوة جسمانية عصبانية ولا يقول احد
يتحقق مع انتفاء الحيوة فالسماع الثابت بالادلة الشرعية والعقلية غير مرتفع وما هو مرتفع
غير ثابت وبهذا يظهر ان التقابل الذي بين الموت والحيوة هو التقابل بالتضاد لكون كليهما
وجوديين فان كون الحيوة امرا وجوديا ظاهر واما الموت فلانه اثر للاماتة والاماتة
لما كانت عبارة عن قطع تعلق الروح بالبدن وايقاع الفصل بينهما وتخريب البدن كان
الموت الذي هو مطاوعها عبارة عن انقطاع ذلك التعلق والانفصال والتخريب وكل
ذلك وجودي ويدل على كونه وجوديا قوله تعالى خلق الموت والحيوة لان الموت لو كان
عدميا لما تعلق به الخلق اذ لا يقال للعدمي انه مخلوق فان الخلق هو الجعل والايجاد و
عدمية عدم الحيوة عدما ثابتا اللازم للموت لا تصير الموت عدميا لظهور عدم استلزام
عدمية اللازم عدمية الملزوم الا ترى الى الافلاك فانه ملزوم لعدم السكون عند الفلاسفة

وہ سماع جو قوت جسمانیہ کے ذریعہ سے ہے مرتفع ہو جاتا ہے لیکن اس طرز کا کہ مردہ بقوۃ جسمانی سنتے ہیں"
کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا جو مرتفع ہے وہ ثابت نہیں، جو ثابت ہے وہ ناپیدا نہیں۔ اسی تقریر سے
یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ موت و حیوۃ کے درمیان تضاد کا تقابل پڑتا ہے۔ اسلئے کہ یہ دونوں وجودی ہیں۔
حیوۃ کا وجودی ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ رہی موت سو وہ بھی وجودی ہے دلیل یہ ہے کہ مارنا اسکو کہتے
ہیں کہ بدن سے روح کا تعلق جس سے بدن کی زندگی ہوتی ہے ہٹا دیا جاوے۔ اسکا اثر لازم مرنا ہے
چونکہ مرنا اس تعلق کا منقطع ہونا ہے۔ تو یہ بلا شبہ وجودی ہے نیز اسکے وجودی ہونے پر یہ دلیل ہے
کہ باریتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ "ہم نے موت کو پیدا کیا ہے" یہ صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وجودی ہو
اسلئے کہ موت اگر عدمی ہوتی تو خداوند تعالے کا فعل اسکے ساتھ کیونکر متعلق ہوتا کیا کبھی کہا جاتا ہے
کہ فلاں امر عدمی پیدا کیا گیا ہے نہیں کیونکہ پیدا کرنے کا معنے موجود کر دینا ہے۔ "سوال"
کیوں جائز نہیں کہ باعتبار لازم کے عدمی ہو گیا دیکھتے نہیں کہ عدم الحیوۃ اسکو لازم ہے پس اس کا
عدمی ہونا موت کے عدمی ہونے کو مستلزم ہے۔ جواب کہ یہ استلزام غلط ہے دیکھو عدم السکون
آسمان کو عند الفلاسفہ لازم ہے۔ آسمان معدوم نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس
اور بھی بہت مواقع ہیں کہ لازم کی عدمیت ملزوم کی

لا بهذا الطريق لعدم اعتبار معنى عام يشتمل على المعنى الحقيقي من الاخذ بالكلية
والاخذ بالبعضية فاذن كونهما مرادتين ليس الا من حيث ارادة الاخذ بالبعضية بان المراد
بالنفي سلب تعلق الروح بالبدن تعلقا يوجب الادراك الاحساسي او تعلقا يوجب الحيوة
فان كان الاول مسلوبا بدون الثاني فهذا هو لا تامنه وان كان الثاني ومن لوازمه كونه
متضمنا السلب الاول فهذا هو لا ماتنه ودوران ذلك التعلق بين الاحساس وبين الحيوة
ليس كدوران الشيء بين النقيضين بل كدورانه بين امرين يكون احدهما اخص والآخر اعم
ولذا امتنع وجود التعلق الاول بدون الثاني وقال وجوبا كل حساس حي بدون عكس كلي
فلا تنافي في اجتماع الاحساس والحيوة في الحيوان بل في ارتفاعهما عنه وتضمن رفع التعلق الثاني
لرفع التعلق الاول لا يقتضي نفي سماع الاموات اذ سماعهم الذي نحن مثبتوه هو بمعنى
ادراك ارواحهم وذلك ثابت بالادلة القطعية لا مجال لاحد في انكاره وهذا لا يرتفع في
ضمن ارتفاع الحيوة وما يرتفع في ضمن

اس ہی کو یہ لے لینا مراد ہوگا مثلاً حیوۃ کی نفی سے سولانا مقصود ہو تو اس صورت میں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو
بدن حساس تھا وہ تعلق مسلوب کیا گیا تو بلاشبہ یہی سولانا ہے اور اگر نفی سے مارنا مراد ہو چنانچہ ایسا ہی ہے تو یوں
کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن زندہ تھا وہ تعلق سلب کیا گیا ہے یہ صورت بلا شک اسکو مارنا کہا جائیگا ہاں دوسری
میں حس کا سلب بھی معتبر ہے جیسا کہ زندگی کا حکم لیکن یہ خیال رکھنا کہ یہ تعلق حس اور زندگی کے درمیان بطور
تردید دائر ہے جس طرح کہ کوئی امر خاص و عام کے درمیان مردد ہوتا ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہ تردد اس طرز پر ہے کہ جس طرح
شی نقیضین کے درمیان مردد ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تعلق جس سے احساس کا وجود ہوتا ہے دوسرے تعلق کے بغیر (یعنی وہ تعلق
کہ جس سے زندگی ہوتی ہے) موجود نہیں ہوتا پس یوں کہنا کہ ہر حساس زندہ ہے صادق ہے اور یہ کہنا کہ ہر زندہ حساس ہے
غلط ہے کیونکہ بعض زندہ (جیسے سوئے ہوئے) حساس نہیں ہیں سوال کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ میں حس
باقی نہیں رہتا ہے اسلئے لازم آیا کہ وہ سنتے بھی نہوں اسکا جواب یہ ہے ہماری تقریر سے مردوں کا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا ہے
کیونکہ انکا سننا بمعنے ادراک روحانی ہے جو کہ ادلہ قاطعہ شرعیہ سے ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کا سماع مرنے سے مرتفع نہیں ہوتا ہے البتہ مرنے کے ضمن میں

سلہ بعض لوگ حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب فتح القدیر وغیرہم محققین حنفیہ میں سے فرماتے ہیں کہ مردہ نہیں
سنتے ہیں تو اے حنفیو تم کیوں سماع موتی کے قائل ہو حضرت مصنف فضیلت مآب نے اسکو یہی رد کیا کہ صاحب فتح وغیرہ مطلقا
سماع موتی کے منکر نہیں ہیں بلکہ ثبوت جسمانیہ سے سننے کے منکر ہیں نہ کہ ادراک روحانی سے بھی انکاری ہیں ۱۲ مترجم

بين الرفعين لا بتم التقريب فعلى هذا يقال ان من نودى وخوطب بالضمائر هو عيسى عليه السلام فيكون المنادى والمتوفى والمرفوع والمطهر من الكفرة وفائق الاتباع اياه عليه السلام فيتركب القياس من الشكل الاول من ان عيسى هو المصداق للمتوفى المفهوم من الاية والمصداق له هو المصداق لصيغة من وقع عليه فعل الرفع فينتج ان عيسى هو المصداق للمرفوع وهذا عين ما ادعيناه من ان المرفوع هو شخصه لا روحه فقط وايضا لو كان روح عيسى مرفوعا دون جسده الاطهر لوقع جسده فى ايدى الكفرة ولحصل مرادهم ولاهانوه فلم يصح قوله تعالى ومطهرك من الذين كفروا فان الاماتة ليس تخليصا وتطهيرا من الاعداء بل تحصيلا لمرادهم وايصالا لهم الى مناهم وغاية متمناهم فهل يصح لمن له فهم مستقيم وعقل سليم ان يفهم من الرفع فى هذه الاية الرفع الروحانى وهل لا يعد ذلك المستنبط من ارباب الجهالة ولعمرى ان هذا الشئ عجيب يتعجب منه كل لبيب واستدل ايضا بقوله تعالى

زید کے کپڑے کے اٹھائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں پر بھی خود زید کا رفع مراد نہ ہو بلکہ کپڑے کا مثلاً اسلئے کہ خود شئے کا رفع اور ہے۔ اسکے متعلق کا اور ہے۔ بنا بر علیہ ثابت ہوا کہ آیت (یا عیسیٰ انی متوفیک الخ) میں منادا اور ضمائر کا مرجع خود مسیح علیہ السلام ہے نہ خالی روح جب خود مسیح ہی منادا اور مرجع ہوئے تو متوفی۔ مرفوع۔ مطہر۔ فائق الاتباع بھی آپ ہی ٹھہریئے نہ صرف روح"۔ اب ہم اس سے پہلی شکل بنائیں گے مسیح علیہ السلام پر بھی متوفی کا مفہوم صادق آتا ہے۔ جس پر یہ صادق ہے اسی پر ہی مرفوع کا مفہوم بھی صادق ہے نتیجہ مسیح علیہ السلام ہی پر مرفوع کا مفہوم صادق ہے" اور یہ بعینہ وہی ہے جو ہم دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری دلیل اگر مسیح علیہ السلام کی صرف روح ہی مرفوع ہوئی ہوتی تو آپ کافروں کے ہاتھوں سے کیسے بری اور مطہر ٹھہرتے۔ بلکہ جسد لطیف تو کافروں کے ہی اختیار میں رہتا اور کافروں کا مقصود یہی تھا حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسیح ہم تجھکو کافروں کے اختیار سے الگ اور پاک کرینگے" پس اگر خالی روح مرفوع ہوئی ہو تو باریتعالےٰ کا یہ ارشاد کیسا درست ہوگا لہذا رفع روحی غلط ٹھہرا اور مسیح علیہ السلام کا بجسدہٖ مرفوع ہونا ثابت ہوا کیونکہ جب جسد مع رفع مراد لیں گے تو مسیح علیہ السلام بلاشبہ بالکل کافروں کے اختیار سے نکل گئے اور پاک ہوگئے" اسلئے آیت مذکورہ سے رفع روحی مراد رکھ لینا بے علمی اور عجیب تر ہے۔

کادیانی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ وہ بیان کرتے ہیں

ولا یلزم یکون لازمہ ھٰذا عدمیا کون الفلک عدمیا ونظائرہ اکثر من ان تحصر وھٰذا ماقلنا من ان التوفی لیس حقیقۃ فی الاماتۃ لان الاماتۃ لایوجد فیہا الاخذ بالتمام بل الاخذ فی الجملۃ بخلع صورۃ نوعیۃ عن الجسم الحیوانی ولبس اخرٰی میتًا ق بفصل الروح عن البدن فباعتبار وجوب حمل اللفظ علی الحقیقۃ یکون قولہ عزوجل یٰعیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ دلیلا لنا لا لہ ویؤیدہ العطف بقولہ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اذ المراد بہ الرفع الجسمانی والا فما وجہ تخصیصہ بعیسی علیہ السلام لعموم الرفع الروحانی کل مومن وحملہ علی ھٰذا الرفع العام مستندًا بقولہ عزوجل یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات غیر صحیح لان المذکور فی تلک الاٰیۃ ھو رفع المسیح نفسہ وفی ھٰذہ الاٰیۃ رفع الدرجات ولا یخفی الفرق بین رفع الشیٔ نفسہ وبین رفع درجاتہ کما ھو بین قولک رفعت زیدًا وبین رفعت زیدًا ثوبہ او بیتہ او شیئًا اٰخر مما یتعلق بہ ومع ثبوت التغائر

عدمیّت کو نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ میں جو توفّی ہے وہ مارنے میں حقیقی طور پر مستعمل نہیں ہے اسلئے کہ مار دینے میں پوری طور پر لے لینا نہیں پایا جاتا ہے بلکہ مار دینے میں صرف بدن سے روح الگ کرکے اٹھائی جاتی ہے اور یہ گویا ایک حصّہ کا لے لینا ہے نہ پوری شئے کا لے لینا لیکن لفظ کا بصورت عدم قرینہ حقیقی معنے پر محمول کرنا جبکہ واجب ہوا تو آیت (یا عیسٰے انی متوفیک الخ) ہمارے لئے دلیل ہوئی نہ کہ قادیانیوں کے لئے۔ اسکا ہمارے لئے دلیل ہونے کو رافعک الیّ کا اسپر معطوف ہونا قوت بخشتا ہے۔ اسواسطے کہ اس رفع سے رفع جسمانی مراد ہے ورنہ حضرت مسیح علیہ السّلام سے کیا اس رفع روحی کو خصوصیت تھی جو اس آیت میں انکی روح کا مرفوع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ سوال چونکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا ایمان داروں۔ اہل علم کے درجات کو (مرفوع) بلند کرتا ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ خود ایماندار اور اہل علم مرفوع نہیں ہوتے ہیں بلکہ انکے درجات مرفوع اور بلند کئے جاتے ہیں۔ پس رفع مسیح سے بھی خود مسیح کا رفع مراد نہیں ہے بلکہ رفع روحی۔ الجواب دلیل مفید مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ آیت سابقہ میں خود مسیح علیہ السّلام کا رفع مذکور ہے اور اس آیت میں رفع درجات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رفع درجات اور خود شئے کے رفیع ہونے میں مغائرت ہے اسلئے رفع درجات سے رفع غیر جسمانی ثابت نہیں ہوگا۔ دیکھو کہا جاتا ہے کہ ہمنے زید کو اٹھا لیا ہے یا یہ معنے زید کا کپڑا۔ یا اور کچھ جسے زید کے ساتھ تعلق ہو۔ اٹھا لیا ہے۔ آیا اس صورتمیں

ايانهم بكونهم شاكين كان قبل ان مات عليه السلام والحاصل انهم والحال ان عيسى حي اي قبل
ان مات كانوا شاكين في قتله ولم يكن حصل لهم قطع لقتله بل كانوا قبل انه مات يوقنون بشكوكهم
قتله وفي هذا الاستدلال انظار شتى اما النظر الاول على التوجيه الاول فلان حمل الرفع في
الاية على الرفع الروحاني غير صحيح لان الكلام وقع بطريق قصر الموصوف على الصفة على نحو قصر
القلب وهذا مشروط بتنافي الوصفين كما اذا خاطب المتكلم رجلا بعكس ما يعتقد مثل
ما قام زيد بل قعد لمن يظن بقيامه وظاهر ان القيام والقعود متنافيان واشتراط
التنافي اعم من ان يكون شرط الحسن او لاصله ومن ان يكون التنافي في نفس الامر او في
اعتقاد المخاطب على حسب ذلك الاراء وانما كان قوله تعالى وما قتلوه يقينا بل رفعه الله
اليه على نحو قصر القلب لانهم كانوا يدعون ان عيسى مقتول فقال لهم الله تعالى بعكس ما ادعوا
من انه مرفوع لا مقتول كما زعمتم فيجب التنافي بين وصفي القتل والرفع وذا [illegible] الاية [illegible]

آپکے مرنے سے پہلے ہی اپنے اس شک پر یقین رکھتے تھے" اب دیکھئے کہ استدلال پر کتنے اعتراض وارد ہوتے
ہیں۔ اولاً کہ رفع سے روحانی مراد لینا غلط ہے اسلئے کہ اس آیت میں مسیح علیہ السلام وصف مرفوعیت میں بطور
قلب و عکس کے محصور کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس حصر اور قصر کے لئے اوصاف کی منافات شرط ہے۔
مثلاً ایک شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ زید قائم ہے۔ دوسرے نے اس سے مخاطب ہو کر کہدیا کہ زید قائم نہیں بلکہ
بیٹھا ہے۔ پس دیکھئے یہاں متکلم نے ایسا بیان کیا کہ وہ مخاطب کے عقیدہ کا قلب و الٹ ہو۔ ظاہر
ہے کہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا یہ دو صفتیں آپس میں منافات بعینیت رکھتی ہیں۔ ایسے شک منافات عام طور پر
لی جاتی ہے۔ خواہ قصر و حصر کی بہترائی کے لئے یا نفس حصر کیلئے شرط ہو نیز واقع میں منافات ہو۔ یا
اعتقاد میں۔ یہی یہ بات کہ وہ آیت کہ جسکا مضمون یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خداوند
نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے" بطور قصر قلب کے فرمائی گئی ہے۔ سو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اہل کتاب دعوی کرتے
تھے کہ مسیح علیہ السلام قتل کئے گئے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے انکے گمان کے برعکس فرمایا کہ مسیح تو صرف مرفوع
ہوئے ہیں۔ قتل نہیں ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو وصف مرفوعیت میں قصر کیا گیا
ہے۔ مگر قلب و عکس کے طور پر۔ پس ضرور ہوا۔ کہ قتل اور رفع میں منافات ہو۔ لیکن یہ منافات
توجب ہی متصور ہے۔ کہ

وقولهم انا قتلنا المسيح بن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم
وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه الله
اليه وكان الله عزيزا حكيما۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة
يكون عليهم شهيدا حيث حمل الرفع على الرفع الروحاني وقال برجوع الضمير المجرور
المتصل بالباء في قوله تعالى ليؤمنن به الى نفس شاكين غير متيقنين بكون عيسى مقتولا
مصلوبا وبرجوع الضمير المتصل بقوله موته الى الكتابي ثم وجهه بتوجيهين آخرين وحكم
على كليهما بالصحة والصواب الاول ان لفظ الايمان مقدر في قوله تعالى قبل موته اي
قبل الايمان بموته فيكون معنى الآية ان كل كتابي يؤمن بان قتل عيسى مشكوك فيه
قبل ان يؤمن بموته الطبعي الذي وقع في الزمان الماضي والتوجيه الثاني ان كل كتابي كان يؤمن
ويبل قطعا بانهم شاكون في قتل عيسى وليس قتله الا على سبيل الشك والظن وذلك اي

کہ ہم نے مسیح مریم کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہ تو انکو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ ہاں
شبہ میں ڈالے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ البتہ انکے قتل کے بارہ میں شک میں پڑے
ہوئے ہیں انکو اس پر یقین حاصل نہیں ہے صرف خلاف واقع کی تابعداری کرتے ہیں مسیح علیہ السلام کو انہوں
نے قتل نہیں کیا بلکہ خداوند تعالیٰ نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے نہیں ہے
کوئی بھی اہل کتاب میں سے مگر کہ اسپر ایمان لاوے گا۔ اسکے مرنے سے پہلے۔ وہ قیامت کے دن انپر گواہ ہو
گا تقریر استدلال کادیانی پہلی آیت میں رفع روحی مراد رکھتا ہے بہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کے مقتول
مصلوب ہونے میں شاک ہیں ہونا ہی ضمیر بہ کا مرجع ہے۔ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اسکے بعد دو توجیہیں کرتا
ہے پہلا یہ کہ قبل موتہ میں ایمان کا لفظ مقدر ہے۔ اس تقدیر پر آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہر ایک کتابی مسیح کی طبعی موت پر جو
ماضی میں واقع ہو چکی ہے اسکا ایمان لانے سے پہلے آپکے مشکوک القتل ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ دوسری توجیہ کہ
ہر ایک کتابی اتفاقاً جانتا ہے کہ ہم مسیح کے مقتول ہونے کے بارہ میں شک میں ہیں۔ اس شک پر انکا ایمان مسیح علیہ
السلام کے مرنے سے پہلے تھا۔ گویا مسیح ابھی زندہ ہی تھے کہ انکو آپکے مقتول ہونے میں شک تھا اور وہ آپکے مرنے

له صفحہ ۵۲ کادیانی صاحب کہتے ہیں کہ ہو اللہ الذی یتوفاکم میں بھی توفی سے مراد موت ہی ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں
[illegible] یہ ہے کہ یہاں توبیخ مقصود ہے اسی واسطے ہو الذی یرزقکم یا یحییکم وانما لہا نہیں فرمایا گیا۔ اور یہ
[illegible] سلہ کادیانی صاحب پر تعجب ہے کہ اور کوئی اگر مقدر کا نام لے تو اسکو محرف کہتے ہیں۔

الاول المشکوکیۃ قتل عیسیٰ دون عیسیٰ لیس باولی من ارجاعہ الیہا اختیارہ علیہ مع
لزوم مخالفۃ السلف والخلف ترجیح بلا مرجح بل ترجیح للمرجوح وھذا افحش من ذلک
مع انہ یکون المعنی علیٰ ھذا ان کل کتابی یومن بان المسیح مشکوک القتل وان قتلہ
لیس بقطعی کما اوضحہ بنفسہ وھذا المعنی لا یستقیم لان اتیانہم بمضمون قتل عیسیٰ
فی عنوان الجملۃ الاسمیۃ وتاکیدہ بان صریح فی کونہم متیقنین بقتلہ ولذا رد اللہ عز
وجل ادعائہم ھذا بقولہ عز وجل وما قتلوہ یقینا اذ لو لم یکن لہم الاذعان لکفی فی
ردہم وما قتلوہ ولم یزد علیہ قید یقینا فالقول بانہم لم یکونوا متیقنین بل کانوا شاکین
فی قتلہ قول بالغاء قید یقینا فی قولہ تعالیٰ وما قتلوہ یقینا لخلوہ عن الفائدۃ علیٰ ھذا التقدیر
وادعاء ان قید یقینا قید للقتل المنفی فی وما قتلوہ فیکون النفی واردا علی القتل المقید
بھذا القید والنفی علیٰ ھذہ الوتیرۃ کما یتحقق ویصح بانتفاء القید کذلک یصح بانتفاء
المقید والقید کلیہما وھہنا کذلک فان القتل مع التیقن منتف لا یفیدہ ولا یجدیہ من لزوم

مشکوکیۃ القتل کی راجع کرنے سے اس ضمیر کا خود مسیح علیہ السلام کیجانب پھیرنے سے اولیٰ نہیں ہے چنانچہ ظاہر ہے
پھر مشکوکیۃ کو مرجع بنانا باوجود اسکے کہ سلف وخلف کے برخلاف ترجیح بلا مرجح بلکہ ضعیف کو ترجیح دینا ہے یہ
ترجیح پہلی ترجیح سے بدتر ہے علاوہ آیت کا معنے اس تقدیر پر یوں ہوگا کہ ہر ایک کتابی ایمان رکھتا ہے کہ
مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا مشکوک ہے انکا مقتول ہونا یقینی نہیں ہے چنانچہ کادیانی اسی بات کو خود
واضح کر رہا ہے حالانکہ یہ معنے درست نہیں ہے کیونکہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا جملہ اسمیہ کے
لباس میں بیان کیا ہے اور پھر اسکو موکد بھی کر دیا ہے پس صراحۃً اسپر دال ہے کہ وہ مسیح کے مقتول ہونے پر اذعان رکھتے
ہیں آخر اسیوجہ سے تو خداوند تعالیٰ نے انکی تردید کی کہ انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا اگر انکو مسیح کے قتل ہونے پر اذعان
نہ ہوتا تو خداوند تعالیٰ اتنا ہی فرما دیتے کہ انھوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا اور یقیناً کی قید نہ بڑھاتے پس یہ کہنا کہ انکو یقین اذعان
نہیں ہے یہ صاف طور پر اس بات کا اقرار ہے کہ قرآن شریف میں یقیناً کی قید لغو ہے نعوذ باللہ منہا اچھا صاحب
اگر یہ دعویٰ کرینگے کہ اس آیت میں جو یقینی مذکور ہے وہ تو منفی قتل کی قید ہے تو گویا یہ نفی قتل مقید پر وارد ہوئی
پس نفی جیسے کہ قید کے اٹھ جانے سے منتفی ہوتی ہے ویسے ہی قید ومقید دونوں کے اٹھ جانے سے منتفی ہوجاتی ہے
یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ یقینی قتل منتفی ہے سو آیت کا معنے یوں ہوگا کہ انکا متیقن قتل نہیں پایا گیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ جواب

الا اذا كان مرفوعا بالكونه حيا اذ منافاة الرفع حال الحيوة اى الرفع الجسمانى للقتل ظاهر
بديهى لا يحتاج الى تنبيه فضلا عن دليل ولما اذا كان الرفع رفعا روحانيا فلم يجب اجتماع
الرفع مع القتل لا يتحقق التنافى بين الرفع والقتل لان كل احد يعلم قطعا ان من قتل فى سبيل الله
فهو مرفوع بالرفع الروحانى باجماع المذاهب فحينئذ يجب اجتماعهما مع ثبوت الاجتماع
النفس الامرى بل والاعتقادى ايضا ارتفع التنافى راسا فلم يصح القصر ولم يحسن فاما ان
يقر بكون هذا الكلام نزل ردا لزعم اهل الكتاب فيلزمه الاقرار بكونه قصر القلب ويجب
تنافى وصفى القتل والرفع باحد الوجهين ويكون الرفع رفعا جسمانيا واما ان يقر بعدم وجوب
التنافى بين الوصفين فى قصر القلب وهذا هدم للقواعد العربية وبالجملة لا بد له اما من القول
برفعه عليه السلام حيا واما من الخروج عن العربية فايهما شاء فليختر والنظر الثانى ان ارجاع الضمير

مسیح علیہ السلام بجسدہ مرفوع ہوئے ہوں۔ کیونکہ رفع جسدی بداہتہ منافی قتل ہے۔ مگر جب رفعت
روحانی رفع مراد لیا گیا ہے جیسا کہ کادیانی کا بیان ہے تو وہ قتل سے منافی نہیں ہے۔ کیا دیکھتے
نہیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ تو اس کی روح مرفوع ہوتی ہے۔ پس جبکہ قتل کی
حالت میں رفع روحانی پایا گیا ہے۔ تو منافات کہاں رہی جس حالت میں یہ دونوں واقع ہیں بلکہ
مذہبوں میں بھی یہ تسلیم شدہ ہے۔ تو منافات سرے سے ہی اُڑ گئی۔ بنا بر اں آیت میں جو قصر کے طور پر
فرمایا گیا ہے خود قصر ہی غلط ہوگا۔ یا بہتر نہیں ٹھیریگا۔ نعوذ باللہ۔ لہذا کادیانی پر دو باتوں میں سے
ایک کا اقرار کرنا لازم ہے۔ یا تو کہیگا کہ آیت اہل کتاب کی تردید کرتی ہے۔ لیکن اس صورت میں قصر القلب
قتل و رفع میں منافات کا اقرار کرنا ہوگا۔ پس مسیح علیہ السلام کا بجسدہ مرفوع ہونا بھی ماننا پڑے گا۔
یا کہیگا کہ قصر القلب میں دو وصفوں کے درمیان منافات کا ہونا ضروری نہیں۔ مگر اس صورت میں
کلام عربی کے قواعد کا ہدم اور ان سے بے علاقہ ہونا لازم آوے گا۔ مختصر کادیانی کو اس سے گریز
نہیں ہو سکتا یا تو مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے بجسدہ مرفوع ہونے پر ایمان لانا پڑیگا
یا تو عربیت سے منحرف ہوگا۔ پس دو میں سے جسے
چاہے اختیار کرے۔ دوسرا اعتراض
معہ پہلی ضمیر کا

كيف يجوز ويمكن منهم الشك في قتل عيسى عليه السلام ومع وجود هذا الدليل لا يتصور
ان ينسب اليهم جميعهم الشك في قتله وقول الله عز وجل وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم
بذلك من علم الا اتباع الظن مؤول بان المراد بالشك ليس ما يتساوى طرفاه كما اصطلح
عليه المنطقيون بل المراد من الشك المذكور ما يقابل العلم ومن العلم الحكم الجازم الثابت المطابق
لنفس الامر وعلى هذا لا تنافي بين شكهم وادعائهم في قتل عيسى عليه السلام فيكون معنى
وان الذين اختلفوا لفي شك منه اي لفي حكم غير مطابق للواقع وان كان حكمهم بذلك حكما
جازما ولكن لعدم مطابقته لنفس الامر لا يعد علما بل شكا وليس لهم بذلك علم اذ لا ثبت
فيه من المطابقة في نفس الامر فهم انما يتبعون الظن اي الحكم الغير المطابق لنفس الامر فيكون
مآل الشك والظن واحدا ولو اريدا بالمعنى المصطلح لاهل المعقول لم يتحد مصداقهما

یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام کے قتل ہو جانے پر اذعان نہیں رکھتے ہیں کیا صریح بہتان ہے۔ باوجود اس
روشن دلیل کے سب کی طرف شک کو منسوب کرنا کیونکر متصور ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو اس آیت سے کہ جسکا
مضمون یہ ہے کہ وہ لوگ کہ مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارے میں شک میں ہیں۔ نہیں انکو اس کا اذعان
مگر کہ ظن کی تابعداری کرتے ہیں) وہم پیدا ہو گیا ہو گا۔ سو واضح رہے کہ شک جو اس آیت میں مذکور ہے وہ
منطقیوں کے طور پر نہیں ہے "منطقی تو شک اسکو کہتے ہیں کہ جسکے دونوں جانب برابر ہوں۔[1]
بلکہ شک سے آیت میں ضد علم مراد ہے جسے حکم جازم مطابق واقع کہتے ہیں مختصراً کہ شک سے ضد یقینی مطلوب
ہے پس اس لحاظ سے مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے کے بارہ میں انکے شک کنندہ اور معتقد ہونے میں منافات
نہیں ہے بریں تقدیر آیت کا معنے یوں ہو گا کہ وہ لوگ جو مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارہ میں شک میں ہیں
یعنی البتہ وہ ایسے خیال میں گرفتار ہیں کہ جو خلاف واقع ہے گو وہ لوگ یہ حکم بزعم خود قطعاً و جزماً لگاتے ہیں۔
لیکن چونکہ وہ در اصل مطابق واقع نہیں علم و یقین نہیں ہے بلکہ شک ہے کیونکہ یقین کے لئے یہ ضروری ہے کہ
مطابق واقع ہو پس بلاشبہ وہ ظن کے تابعدار ہیں یعنی اس خیال اور حکم کے تابعدار ہیں جو واقع کے مطابق نہیں
اسلئے شک اور ظن کا مآل اور مرجع ایک ہی ہوا۔ اگر شک و ظن کو منطقیوں کی اصطلاح کے موافق لینگے تو ان دونوں
کا مصداق ایک نہیں ہو سکتا

---

[1] جیسے کہ زید کے قائم ہونے کا خیال ہو ویسے ہی اسکے قائم نہ ہونے کا بھی خیال ہو اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہو اسے منطقی شک کہا کرتے ہیں ۱۲ مترجم

الغاء القيد بكفاية نفي اصل القتل في ردهم مع انه يخالف القاعدة الاكثرية من ان النفي الوارد على المقيد يتوجه الى القيد فحسب على انه لم يوجد دليل على انهم قالوا بهذه الجملة من غير صميم القلب كما وجد على كون قول المنافقين لرسول الله صلى الله عليه وسلم نشهد انك لرسول الله من غير صميم القلب فكيف يصح ان هذا القول منهم مع كونهم شاكين من قبيل اظهار خلاف ما كانوا عليه لئلا يتوجه ايراد لزوم الالغاء على الكائد المستدل بل وجد الدليل على انهم كانوا بقتله متعنتين كما يدل عليه صريح عبارة القرآن ان النصارى قديما وحديثا يدعون بذالك ويدعون الناس الى الايمان بذالك ويزعمون ان وقوع قتله عليه السلام كان كفارة لذنوب امته مع انه كان ذالك مكتوبا في انجيلهم وانكاره بطريق التحريف لكنهم لايمانهم بالانجيل وزعمهم عدم التحريف فيه

ان لن ترانیونکے یقیناً کی قید کا فائدہ مند ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ پھر بھی کادیانی کو اس قید کے لغو ہونے کا مقر بننا پڑے گا۔ اولاً کہ انکی تردید کے لئے نفس قتل اور بلا قید ہی کی نفی کافی تھی۔ دوم یہ بات اکثری قاعدہ سے مخالف ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ نفی جب مقید پر وارد ہوتی ہے تو وہ نفی صرف قید کیطرف متوجہ ہوجاتی ہے علاوہ بریں یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ جملہ (انا قتلنا المسیح الخ) بلا اذعان ہی کہدیا ہے جیسا کہ دوسری ایک آیت میں بلا اذعان کہدینے پر دلیل موجود ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یا محمد کہ آپ بلاشبہ خداوند تعالی کے رسول ہیں" پس یہ دعوی کرنا کہ اہل کتاب نے باوجودیکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں" اپنے عقیدہ سے مخالفانہ کہدیا ہے کہ مسیح کو قتل کیا ہے" کیسے بلا دلیل قبولیت کے قابل ہے۔ البتہ اگر اس پر کوئی دلیل ہوتی تو یقیناً کی قید کا لغو ہونا لازم نہ آتا مگر دلیل تو نادارد ہے اسلئے کادیانی لغو ہونیکے الزام سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں یہ تو دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ مسیح کے مقتول ہوجانے پر اذعان کر بیٹھے ہیں" دیکھو قرآن کی عبارت ہی پہلی شاہد عادل ہے۔ دوم نصارا اور فرقوں کو اسی بات کیطرف بلاتے ہیں کہ آو مسیح کے مقتول ہونے پر ایمان لاؤ اور یہ اس گمان سے کہتے ہیں کہ مسیح امت کے گناہوں کے بدلہ قتل کیا گیا ہے۔ حال یہ ہے کہ یہ بات انکی انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے گو تحریف کے طور پر ہی ہو لیکن وہ اسپر اسلئے اذعان کر بیٹھے ہیں کہ وہ انجیل کو

هم لا يشعرون وخلاصة الاشكال الذي ورد عليه على تقدير ارجاع الضمير الاول
الى الشك اما لزوم الغاء القيد في الآية واما حمل قولهم انا قتلنا المسيح بن مريم على خلاف
الظاهر مع وجود ما يوجب حمله على الظاهر فمن التزم الاول فقد تكافر وان الثاني فقد
تقامر فايهما شاء فليختر وثالث الانظار ان في هذا التوجيه تكلفا بحيث لا يتبادر
الذهن الى رجوع الضمير الى ما ادعى رجوعه اليه مع انتشار الضمير وذلك مخل لكمال
فصاحة القرآن و الرابع ان المعنى على هذا التقدير يؤل الى انهم يصدقون بمشكوكية
قتله ولما كان الشك والمشكوكية متحدين لزم كون التصديق متعلقا بالشك الذي
هو تصور سواء اريد بالشك مفهوم العنوان او مصداقه لان كلا منهما تصور لا محالة
وسواء اريد بالتصديق الادراك الاذعاني الذي هو من جنس الادراك او الحالة

کہتے ہیں۔ غرضکہ اعتراض مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پہلی ضمیر کو شک کی طرف پھیرینگے تو یا قید کا لغو ہونا
لازم آویگا۔ یا یوں کہنا پڑیگا کہ یہ آیت جس کا معنے یہ ہے کہ وہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ ہمنے مسیح علیہ السلام کو قتل
کر ڈالا ہے" اپنے ظاہر معنے پر محمول نہیں۔ حالانکہ ظاہر پر محمول ہونے کا بھی موجب موجود ہے۔ پس جو
لوگ پہلی کا التزام کریں گے تو یہ کفر ہے۔ اگر دوسرے کو اختیار کریں گے تو یہ نادانی ہے۔ اب ان دونوں میں سے
جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ تیسرا اعتراض کہ یہ توجیہ تکلف محض ہے۔ کیونکہ جسکی طرف تم ضمیر کو راجع کرتے
ہو یہ رجوع ہرگز متبادر نہیں ہے۔ نیز اس قسم کے ارجاع سے انتشار ضمائر لازم آتا ہے۔ قرآن شریف میں
انتشار ضمائر کا قائل ہونا ایسے عیب پر از فصاحت قرآن کو بٹہ لگانا۔ چنانچہ ظاہر ہے اور جب یہ بھی
باطل ہوا تو ہمارا اثبات ہوا۔ چوتھی بحث کہ جب اس طرح ضمیر کا مرجع مانا جاوے تو آیت کا معنے یہ ہوگا
کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کی مقتولیت کے مشکوک ہونے پر تصدیق رکھتے ہیں اور شک و مشکوکیت چونکہ ایک ہی
بات ہے تو تصدیق کا شک سے تعلق پکڑنا لازم آتا ہے۔ یہ شک جو ایک قسم کا تصور ہی
ہے اسکے لفظ کا مفہوم ہی شک سے مراد رکھ لیں یا جس پر وہ شک صادق آتا ہے وہی
مقصود رکھیں اسلئے کہ شک کا معنے اور اس کا مصداق دونوں تصور ہی
ہیں عام اس سے کہ تصدیق علم یقینی جو مطلق ادراک و تصور کا قسم
ہے" مقصود ہو۔ یا وہ حالت کہ بعد ادراک کے

المتنافر بينهما لوجوب رجحان احد طرفي الظن اي الطرف الموافق وعدمه مطلقا في
الشك وهذا ظاهر واطلاق الشك والريب على غير المعنى المصطلح لهم مما يقابل العلم اليقيني
شائع وفي القرآن واقع قال عز وجل وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اطلق الريب
على انكارهم وقولهم الجازم بانه كلام البشر وبانه شعر او كهانة يدل على ذلك قوله تعالى
فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلاً
ما تؤمنون ولا بقول كاهن قليلاً ما تذكرون تنزيل من رب العالمين فلو كانوا شاكين في
كونه كلام الله تعالى بالشك المصطلح لما وقعت هذه التاكيدات من كون الجملة اسمية و
تاكيدها بان وبالقسم فهذه دلالة بينة على شدة انكارهم لكونه كلام الله تعالى البالغ
الى حد الجزم بانه كلام غير الله وكذا اطلاق الظن عليه قال تعالى ان يتبعون الا الظن و

کیونکہ انکے نزدیک ظن[1] وہ خیال ہے کہ طرف موافق قوی ہو۔ اور شک میں انکے نزدیک مطلقاً رجحان نہ ہو
جیسا نتیجہ ظاہر ہے۔ رہی یہ بات کہ قرآن شریف میں کہیں بھی شک کا معنے برخلاف منطقیین کے لیا گیا ہے سو
واضح ہو کہ قرآن مجید میں یہ بات موجود ہے۔ دیکھو خداوند تعالے فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ قرآن کے بارہ میں ریب یعنے
انکار میں پڑ گئے ہو الخ۔ اب دیکھو کہ اس آیت میں جو ریب یعنے شک ہے انکے انکار انکے حکم بالجزم پر کہ "یہ خدا
کی کلام نہیں ہے بلکہ کسی بشر کی ہے شعر کہانت ہے" اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ خداوند تعالے کی
کلام دلالت کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جنہیں تم دیکھتے اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ قرآن
فرشتہ جبرئیل کے مونہ سے نکلا ہے کسی بشر کی کلام۔ شاعر کی کلام نہیں ہے تھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں
اور نہ یہ کاہن کی کلام ہے تھوڑے ہی لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں یہ قرآن منزل من اللہ ہے اس
آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کنندہ بایں معنے ہوتے کہ
جو شک کا معنے منطقی کرتے ہیں "تو خداوند یہ تاکیدیں نہ فرماتا یہ کہ جملہ اسمیہ بیان فرمایا۔ دوم ان کو ذکر کیا۔
سوم قسم۔ پس بلاشبہ یہ اسپر دلالت کرتی ہے کہ انکا انکار قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے اس حد تک پہنچا ہے
کہ انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ یہ غیر اللہ کی کلام ہے اسی طرح پر ظن کا بھی اسی خیال پر جو خلاف واقع ہو" اطلاق کیا
ہوا ہے دیکھئے وہ آیت جسکا ماحصل یہ ہو کہ وہ صرف ظن کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور وہ صرف

[1] چنانچہ ایک شخص زید کے قائم ہونے پر غالب گمان رکھتا ہے گو اسکے قائم نہ ہونے کا بھی اسکو ضعیف سا گمان ہے
اسکو منطقیین ظن کہتے ہیں ۱۲ مترجم

قتل الشخص مع الایمان بموته الطبعی مما یستحیل ولا خفاء ایضًا فی ان لقتله علیہ السلام
طرفین وجوده وعدمه فاذا کان مشکوکًا یجب ان لا یذعن باحد جانبیه مطلقًا
ولا بما یندرج فی ذٰلک الجانب وظاھر ان الموت الطبعی یندرج فی عدم القتل اندراج
الاخص تحت الاعم لشموله الحیٰوة والموت الطبعی کلیهما فتحریر الشک فی قتله
من الاذعان بموته الطبعی من اجلی البدیھیات لان تساوی طرفی الشک مع رجحان
احدھما غیر ممکن وھذا مما یعلم کل من له ادنی فھم فلو کان مراد ھذه الآیة ما قاله فای
علم حصل بنزولھا وای فائدة من فوائد الخیر ترتبت علیها فتدبر وعلی ان حمل ھذه
الآیة علی ما حملت قول بان ھذه الآیة مبینة لبعض اجزاء الماھیة للشک وھذا کان
ادعاء ان القرآن بین المعانی المصطلح للقوم کما ان الکافیة والشافیة والتھذیب وامثالها

جب ایک شخص کی طبعی موت پر یقین ہو تو اسکے مقتول ہو جانے میں شک کا ہونا محالات سے ہے
ظاہر ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے کے دو جانب ہیں ایک کہ قتل نہیں ہوئے۔ دوم کہ قتل
ہو گئے ہیں۔ پس جبکہ آپکا قتل ہو جانا مشکوک ہے۔ تو واجب ہوگا کہ نہ اس پر کہ وہ قتل ہو گئے ہیں۔ اور نہ
اس پر کہ وہ قتل نہیں ہوئے" یقین ہو۔ اور نیز اس پر جو عدم القتل میں مندرج ہے یقین نہ ہو۔ لیکن یہ
بات واضح ہے۔ کہ طبعی موت عدم القتل میں مندرج ہے۔ ہاں یہ اندراج ایسا ہے۔ کہ خاص عام میں
مندرج ہوتا ہے۔ اسلئے کہ عدم القتل جیسے کہ زندگی کو شامل ہے ویسے ہی طبعی موت کو شامل ہے۔ لہذا لازم
ہوا کہ جس صورت میں کہ مسیح علیہ السلام مقتول ہو جانے میں شک ہو تو آپکی طبعی موت پر یقین نہ ہو۔ اور یہ بالکل بدیہی ہے
کیونکہ شک کے لئے جانبین کی تجویز کا برابر ہونا ضروری ہے اور ساتھ ہی ایک جانب پر یعنے عدم القتل پر
یقین کرنا محال ہے۔ چنانچہ کم درایت پر بھی مخفی نہیں ہے۔ بنا برآں اگر آیت سے وہی مراد ہے جو
کادیانی سمجھتے ہیں تو کہیے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے کیا فائدہ ہوا۔ اس عزیز کو نسے عوائد مرتب
ہوئے۔ علاوہ بریں اگر اس آیت کو کادیانی کی ہی مراد پر محمول کریں تو اس سے لازم آویگا کہ اس آیت نے
شک کی ماہیت کے بعض اجزاء بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات کا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن نے وہ
معانی بیان کئے ہیں جو قوم کے مصطلح ہیں۔ پس اس صورت میں لازم آویگا۔ کہ
قرآن بھی کافیہ شافیہ تہذیب کی مانند ایک

الادراکیۃ الاذعانیۃ التی ھی من لواحق الادراک وتعلقہ بالتصور مطلقا باطل کما تقرر فی مقرہ ولکن تعلقہ بالشک حال کون التصدیق من جنس الادراک افحش من تعلقہ بہ علی تقدیر کونہ من لواحقہ لانہ علی ھذا یکون الشک معلومًا والتصدیق ادراکًا وعلمًا بہ وقد ثبت بالبرھان عندہم اتحاد العلم بمعنی الصورۃ العلمیۃ بالمعلوم فلزم اتحاد التصدیق والشک مع انہما متباینان والنظر الخامس ان الشک المصطلح عبارۃ عن التردد بین طرفی النسبۃ من الوجود والعدم علی التساوی ای ادراک النسبۃ مع تجویز طرفیہا من غیر اذعان باحد جانبیہا فالمعنی الذی اراد الکاتب من ان اہل الکتاب یؤمنون بشکہم فی قتل عیسٰی قبل الایمان بموتہ الطبیعی یرجع الی ان شکہم فی قتلہ حاصل من غیر اذعان بموتہ الطبیعی لان من لوازم القبلیۃ ان لا یوجد البعد حین حدوث القبل ولان الشک فی

پیدا ہوتی ہے جیسے دانش کہتے ہیں" مطلوب ہو۔ لیکن تصدیق کا بہر حال تصور یعنے شک سے متعلق ہونا باطل ہے۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہے ہاں تصدیق کا شک سے اس صورت میں متعلق ہونا۔ کہ تصدیق جنس تصور سے مان لیں بہت فحش ہے۔ اس صورت سے کہ تصدیق کو یعنے دانش لیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جب تصدیق کو تصور کا ہی قسم سمجھکر شک سے متعلق جان لیں تو شک معلوم ٹہرا ویگا اور پھر تصدیق کو بہ نسبت شک کے علم قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ دلیل سے ثابت ہو کہ علم[سلہ] تصور وصورت علمیہ کے معنے سے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ لہذا لازم آیا۔ کہ تصدیق اور شک ایک ہی بات ہو حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیوں غلط نہ ہو کہ تصدیق وشک آپس میں غیریت رکھتے ہیں۔ پانچویں بحث کہ شک صطلاحی جب ہی متحقق ہوگا۔ کہ نسبت کے طرفین میں تردد ہو یعنے یہ ایسا ہے یا ایسا۔ لیکن دونوں میں سے کسی جانب کو ترجیح نہو۔ بلکہ طرفین کی تجویز برابر ہو۔ پس کاتب دیانی کی یہ تفسیر کہ اہل کتاب کو بہت قتل پر مسیح علیہ السلام کے طبعی مرنیسے پہلے ایمان رکہتے ہیں" اسطرف کو راجع ہوگی کہ اہل کتاب کا اس قسم کا شک بغیر اس کے کہ انکو مسیح علیہ السلام کی طبعی موت پر یقین ہونا موجود تھا" کیونکہ تقدم کے لئے لازم ہے کہ مابعد مقدم پیدا ہونیکے زمانہ میں موجود نہو۔ نیز

سلہ۔ جب انسان کا مثلا علم حاصل ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔ کہ اسکی ماہیت اور صورت ذہن انسان ہوتی ہے پیدا۔ اس صورت کو صورت علمیہ کہتے ہیں ۱۱ مترجم

الایمان بالنسبۃ الی وصف الکفر دون سائر الاوصاف فلکون المراد من الآیۃ سلب الکفر عن جمیعہم واثبات نقیضہ من الایمان لجمیعہم کذالک وحصرہم فی ذالک النقیض یجب صدق الایمان علی الکتابی صدقًا کلیا بان یقال کل کتابی یؤمن بہ فہذا قضیۃ موجبۃ محصورۃ کلیۃ فاذا حمل قولہ عزوجل وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ علی ما حملہ فہذا التوجیہ یکون معناہ کل کتابی یؤمن بمشکوکیۃ قتلہ علیہ السلام قبل ان مات ومع قطع النظر عن لزوم حمل المضارع علی الماضی والاغماض عن مفاد النون الثقیلۃ من معنی الاستقبال اما ان یخص ہذا الحکم ببعض اہل الکتاب الموجودین فی زمانہ قبل رفعہ وہذا مناف للقاعدۃ المارۃ اتفاقا واما ان یعم للموجودین منہم قبل رفعہ وبعدہ الی یوم القیامۃ

انحصار صفت کفر کی طرف نسبت کر کے ہے۔ نہ اور اوصاف کے لحاظ سے۔ پس مراد الآیۃ صفت الکفر کا تمام اہل کتاب سے مسلوب ہونا۔ سب کے لئے صفت الایمان کا ثابت ہونا ہے۔ لاغیر اس سے صاف طور پر واضح ہو گیا ہے کہ یہ انحصار اضافی ہے۔ کیونکہ اہل کتاب جو صفت ایمان میں منحصر کر دیئے گئے ہیں تو صرف ایک صفت محض کی طرف نسبت کر کے اوصاف کے لحاظ سے۔ لہذا مفاد الآیۃ یوں ہوا کہ سب اہل کتاب ایمان میں نہ کفر میں منحصر ہونگے۔ اور صفات انہیں پائے جائیں یا نہ۔ پس سب اہل کتاب سے وصف کفر جو بقدر ہے سلب کر دیا گیا۔ اسکا منافی یعنی ایمان سبکو ثابت کر دیا گیا۔ جب یہ سمجھ گئے کہ تمام اہل کتاب صفت ایمان میں منحصر ہونگے تو لازم آئیگا کہ صفت ایمان تمام کتابیوں پر صادق آنا چاہئے جیسا کہ کہیں کہ ہر ایک کتابی اس پر ایمان لاویگا۔ اسلئے یہ قضیہ موجبہ محصورہ کلیہ بنا۔ جب کہ ہم آیت مذکورہ سے وہ مراد رکھ لیں جو کادیانی بیان کرتے ہیں تو اس تقدیر پر یہ معنی ہوگا۔ کہ سب اہل کتاب مسیح علیہ السلام کے قتل کی مشکوکیت پر انکے مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے۔ حالانکہ یہ معنے مردود ہے گو ہم اس سے قطع نظر کریں کہ اس طرز پر صیغہ مضارع کا ماضی پر محمول کرنا لازم آتا ہے۔ اس سے بھی اغماض کریں کہ نون تاکید ثقیلہ معنی استقبال کو چاہتا ہے۔ مگر اور بطرز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے وہ بالتصریح بیان کریں گے وہ یہ ہے کہ یہ حکم خاص ان ہی بعض اہل کتاب کیلئے ہے۔ جو مسیح علیہ السلام کے زمانہ اور انکی مرفوعیت سے پہلے موجود تھے لیکن یہ تو قاعدہ مذکورہ مسلمہ سے مخالف ہے۔ کیونکہ قاعدہ سے لازم آیا تھا کہ یہ حکم کل کتابیوں کے واسطے ہے نہ بعض کے واسطے یا یہ کہو گے کہ یہ عام اہل کتاب کے لئے ہے جو آپ کے زمانہ میں آپ کی مرفوعیت سے پہلے موجود تھے اور وہ جو اس کے بعد قیامت تک موجود

كذالك فهل يتفوه به عاقل واما على التوجيه الثاني فيرد عليه ما عدا الخامس من
الانظار المذكورة كلها ويرد عليه خاصة ايضاً ان سلب الاوصاف بتمامها عن
فرد فرد من افراد شئ ثم اثبات صفة معينة لها كما يقتضي انحصار ذالك الشئ في تلك
الصفة وهذا انحصار حقيقي كذالك سلب وصف معين عنها سواء كان مقدراً او
ملفوظاً ثم اثبات منافي ذلك الوصف يقتضي انحصار الشئ في المنافي للوصف المسلوب
وهذا انحصار اضافي وكلا هذين الحصرين نوعا حصر الموصوف في الصفة واما انحصار
الصفة في الموصوف بالانحصار الحقيقي فبوجودها في الموصوف وانتفائها عن جميع ما عداها
وبالانحصار الاضافي فبوجودها فيه وانتفائها عن بعض ما عداه فقط ومن المعلوم بالبداهة
صدق المحصور فيه على المحصور الكلي كلياً وفي الاية انحصار اضافي لانحصار اهل الكتاب في

کتابیت ہے حالانکہ اس امر کا کوئی عقلمند قائل نہیں ہے۔ اسپر کادیانی کی دوسری توجیہ سوا اس پر بھی پانچویں
بحث کے سوا سب ابحاث مذکورہ وارد ہوتے ہیں البتہ اس دوسری توجیہ پر خاصۃً یہ بحث وارد ہے کہ
یہ امر ہے کہ تمام اوصاف کا سلب کسی شئ کے ہر فرد سے کر دینا۔ پھر خاص صفت انکے واسطے ثابت کرنا جیسا کہ
اسکو لازم آتا ہے کہ وہ افراد موصوفہ اسی صفت میں منحصر ہو جائیں۔ اسی طرح پھر ان افراد سے خاص صفت کا
سلب کر دینا خواہ وہ صفت ملفوظ ہو یا مقدر ہی ہو۔ بعد ازاں کوئی ایسی صفت جو مسلوب کے منافی ہو ان
افراد کو ثابت کرنا۔ اس کو چاہتا ہے کہ وہ موصوف اس مسلوب کے منافی میں منحصر ہو۔ پہلے کا نام حصر
حقیقی دوسرے کا نام حصر اضافی ہے لیکن یہ دونوں موصوف کے صفت میں منحصر ہونے کے لئے
دو قسم ہیں۔ اپر صفت کا موصوف میں بطور انحصار حقیقی کے ہو۔ اسواسطے کہ وہ صفت صرف اسی موصوف
میں متحقق ہے نہ غیر میں۔ صفت کا موصوف میں بطور انحصار اضافی کے منحصر ہونا۔ اسواسطے ہے کہ وہ صفت
تو اس موصوف میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اسکے کل اغیار سے منفک نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض میں پائی جاتی ہے
اور بعض میں نہیں۔ پس چونکہ بعض ہی کیطرف نسبت کر کے منحصر ہے تو یہ حصر اضافی اور نسبتی ہوا۔ یہ ظاہر
ہے کہ جس میں کوئی چیز منحصر ہو وہ اسپر جو اسمیں کلیۃً منحصر ہے کلی طور پر صادق آتا ہے۔ اب دیکھئے
کہ آیت اذیکا مضمون یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی ایک بھی اہل کتاب میں سے۔ مگر وہ ایمان لاوے گا۔)
میں اہل کتاب صفت ایمان میں منحصر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ

امثال هذه الدعاوى ومن خصائلهم انه اذا اخذ بالقرآن تمسك بالانجيل واذا الزم
بالانجيل يعرج الى القرآن واذا هما تشبث بالعقل وان عجز منها تذيل بالكشف والالهام
فان طولب بدليل يدل على صدق كشفه تبهت وتحير وتنكس او هو مثيل للمريض مرض
الموت ليس بحي فيرجى ولا ميت فيلقى او نظير للنعامة اذا استطير تباعر واذا استحمل
تطائر فاقول بفضل الله تعالى ان المعنى الصحيح للاية المذكورة الذى لا يرد عليه شئ من
تلك الانظار هو انهم قالوا انا متيقنون بقتل المسيح بن مريم فردهم الله عز وجل بانهم
ما قتلوه وما صلبوه فكيف يصح تيقنهم بقتله لانه لابد للعلم اليقيني من مطابقته لنفس
الامر واذا لم توجد المطابقة لم يتحقق اليقين بقتله فحكمهم بهذا النحو من القطع و

عقلیہ اعتراضات سابقہ قاطعہ وارد ہوتے لامحالہ ایسے مدعیوں کے خصائل سے یہ بات ہے کہ اگر ان کے
مقابلہ پر قرآن پیش کرتے ہیں تو انجیل طلب کرتے ہیں جب انجیل سامنے رکھتے ہیں تو قرآن طلب کرتے
ہیں۔ جب دونوں پیش کئے جاویں تو عقل کے طالب ہوتے ہیں۔ پھر عقل بھی اگر پیش کیجاوے تو
کشف لے بیٹھتے ہیں۔ تو پھر جب اس کشف پر دلیل طلب کیجاتی ہے تو سرنگوں متحیر ہو جاتے ہیں غرضکہ
وہ لوگ نہ ادھر کے رہتے نہ ادھر کے رہتے۔ ہر ایک دربار سے انکو دھکے ملتے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ یہ لوگ
شتر مرغ کے مثیل ہیں۔ اسپر جب بوجھ ڈالنا چاہیں تو اڑنے والا جانور بن بیٹھتا ہے۔ اگر اسے اڑانا
چاہیں تو اونٹ کہلاتا ہے۔ یا یوں کہ ایسے لوگ اس مریض کے مثیل ہیں جسے مرض الموت نے گرفتار کیا ہو
نہ وہ زندہ اور نہ مردہ ہے۔ اور کسی نبی کے مثیل نہیں ہیں۔ خیر جو ہیں سو ہیں ہمکو اس سے کیا غرض ہے۔
ہاں ہم اب یہ بیان کریں گے کہ جس طرح کہ ہم اور سلف وخلف آیت (انا قتلنا المسیح الخ) سے سمجھتے ہیں
اس طرز پر اعتراضات مذکورہ میں سے ایک اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ
ہم مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے پر یقین رکھتے ہیں سو اللہ عزوجل نے انکی تردید فرمائی کہ انھوں نے مسیح
کو نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ پس کیونکر مسیح کے قتل ہو جانے پر انکو یقین کر بیٹھنا متصور ہو
اسلئے کہ علم یقینی کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ واقع سے مطابق ہو۔ کیا ہو سکتا ہے کہ واقع سے مخالف ہو
اور پھر بھی یقینی ہو۔ ہرگز نہیں۔ لہذا انکا یہ دعوی کہ ہم قتل کے بارہ میں متیقن ہیں باوجودیکہ درحقیقت انکو یقین
حاصل نہیں ہے" بلاشبہ

وهذا يؤدي الى تجويز وجوده من لم يوجد حال عدم وجوده لامتناع تقرر الصفة بدون موصوفها وفيه تجويز لمعية النقيضين وكذا يرد عليه ان حمل موته الذي هو مصدر على الماضي من غير داع مخصص تكلف لا يرتضيه ارباب الفهوم ويرد على توجيهه كلا المعنيين ونسبة كل منهما الى الكشف والالهام ان احد المعنيين باطل لا محالة اذ التوجيه الثاني قوي الاحتمال في الخصوص لا هو نية خلاف الفاعدة من اجتماع النقيضين و الاول لا يتمشى فيه سوى العموم والعموم والخصوص هما متغائران فان سلم التوجيه الاول انتفى التوجيه الثاني وان الثاني ارتفع الاول فاحد الكشفين لو فرض بالالهام من الرحمن يكون الآخر بالالهام من الشيطان اذ لو كان كلاهما بالهام الله تعالى لما وقع التخالف بينهما فالحق ان كلا الكشفين من الكشوف الكاذبة الشيطانية لا من الكشوف الصادقة الرحمانية والا لم يرد على كل منهما نقوض شرعية قاطعة وايرادات عقلية ساطعة فالله من شانه

ہو لیے جائیں گے مگر اس سے تو پھر اور ہی محال لازم آویگا۔ اسلئے کہ اب یہ تجویز کرنا پڑے گا کہ ایک چیز جو وجود نہیں وہ موجود ہونے کی حالت میں موجود ہو۔ ابھی جب تم مسیح علیہ السلام کے مر جانے کے قائل ہو اور اداہر یت کے معنے یہ ہوئے ہے کہ مسیح علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ہی تمام کتابی ایمان لاچکے ہیں تو صاف لازم آیا کہ جو اس زمانہ میں موجود نہیں تھے سو موجود ہو۔ آخر جب سب کے لئے موت المسیح سے پہلے ہی صفت الایمان ثابت کیا گیا تو اس صفت کا موصوف بھی تب ہی موجود ہونا چاہئے ورنہ لازم آویگا کہ صفت بغیر موصوف کے متصل ہو۔ یہ تجویز گویا اجتماع النقیضین کو جائز کر دینا ہے۔ نیز اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہاں مصدر کو بلا موجب ماضی پر محمول کرنا پڑتا ہے حالانکہ یہ بناوٹ ہی صاحب فہم کے نا پسند ہے۔ رہی یہ بات کہ مستدل دو معنوں کو اپنی موت سے اچھا کہتا ہے اور دونوں کو اپنے کشوفات سے مؤید کرتا ہے۔ سو واضح رہے کہ بالضرور دو معنوں میں سے ایک تو بالکل باطل ہے سبب یہ ہے کہ دوسری توجیہ اور معنی میں زیادہ تر خصوص کا ہی احتمال ہے۔ کیونکہ اگر عموم لیا جاوے تو اجتماع النقیضین لازم آتا ہے جیسا کہ گذرا۔ پہلی توجیہ میں خالی عموم ہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عموم و خصوص دونوں آپس میں متغائر ہیں۔ پس اگر پہلی توجیہ کو تسلیم کریں تو بالضرور دوسری نادرست ہو اگر دوسری کو مان لینگے تو لامحالہ پہلی مردود ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اگر ایک کشف کو الہام رحمانی سے ہی فرض کر لینگے تو دوسرا لابد شیطانی ہوگا۔ اسلئے کہ اگر دونوں الہام اللہ سے ہوتے تو انمیں تخالف نہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا حق یہی ہے کہ یہ دونوں ہی رحمانی نہیں ہیں۔ ورنہ کیوں ان دونوں پر ایسے علیہ

صیغة المضارع والنون الثقیلة التی تدل علی استقبالیتہ بعد دخولها بالاجماع من
اهل اللغة ولم یرد علیه شئ من النقوض فالذی ذکرناه من المعنی هو المحکوم علیه
بالصحة الصافی عن شوائب الایرادات کاف لدفع الاشکالات یؤمن به المنصف
المناظر وان اعرض عنه الجاهل المجادل المکابر واستدل ایضا بطریق الالزام علی اهل
الاسلام القائلین بحیوة المسیح علیه السلام بان کل من یؤمن بوجود السموٰت یؤمن
بتحرکها علی الاستدارة فلو کان علیه السلام علی السماء للزم بتحرکها تحرکه فلم یتعین له
جهة الفوق بل علی هذا قد یصیر تحتا وقد یصیر فوقا فلا یتعین له النزول ایضا
اذ النزول لا یکون الا من الفوق وایضا یلزم کونه فی الاضطراب وعدم القرار دائما
ما دام هو فی السماء وهذا نوع من العذاب والجواب ان جهة الفوق تطلق حقیقة علی منتهی

صیغۂ مضارع اپنے ہی معنے پر رہا۔ نون ثقیلہ جو دخول کے استقبال پر بالاجماع دلالت کرتا ہے اپنی
طور پر رہا۔ اس معنے پر اعتراضات سابقہ میں سے کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ کما ہو الظاہر بالتامل
الصادق۔ لہذا جو معنے ہمنے بیان کیا ہے اسکو صحیح کہنا زیبا ہے اور اسکے برخلاف الہامات وکشوف
کو کنہار و نیر و پیے مارنا لازم ہے۔ یہی معنی تمام اشکالات کے دور کرنیکے لئے کافی ہے۔ اسپر بالضرور منصف
مزاج ایمان لاویگا۔ گو کوئی بے انصاف اور سیلم جھگڑالو اس سے انحراف کرے۔ کادیانی کا اور بھی استدلال
الزام کے طور پر ہے کہ ہر ایک جو آسمان کے موجود ہونے پر ایمان رکھتا ہے اسکا یہ عقیدہ ہے کہ آسمان کی
حرکت استدارت پر ہے۔ پس مسیح علیہ السلام کو اگر آسمان پر زندہ مان لینگے تو واضح طور پر لازم آویگا کہ مسیح
بھی آسمان کی حرکت سے متحرک ہوں۔ پس انکا فوق اور اوپر ہونا متعین نہیں ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ انکی جہت
فوق متعین نہیں ٹھہریگا۔ بلکہ اس تقدیر پر مسیح کا کبھی نیچے اور کبھی اوپر ہونا ثابت ہوگا۔ لہذا نزول بھی
متعین نہیں ہوگا کیونکہ نزول فوق سے ہوتا ہے اور فوق ہی جب متعین نہیں تو نزول کا کہاں ٹھیکانا ہے
نیز اس صورت میں مسیح کا جبتک کہ آسمان پر ہیں عذاب میں اور اضطراب میں گرفتار ہونا لازم آویگا الجواب
واضح ہو کہ یہ استدلال موٹی اور سرسری نظر والوں کو جلدی جھپ لیگی۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے قابو زیادہ
تر اسی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ لیکن جو نیکبخت باریک بین ہیں وہ ایسے استدلالات کو کوڑی بیسے بھی
نہیں خریدتے ہیں"۔ **تقریر الجواب** کہ دراصل فوق کا اطلاق اس لئے حفظ کے

ادعاء اليقين مع انتفاء العلم اليقيني بر شبهة صرفة وجهل مركب يفسر بالحكم الغير
المطابق الثابت في نفس الامر فهم في شك منه اى في حكم لم يطابق الواقع وليسوا على اليقين
بل هم يتبعون الظن والجهل المركب لانهم ما قتلوه اى انتفى قتله انتفاء يقينيا بان يكون
قوله يقينا قيدا للنفي لا للمنفي بل رفعه الله اليه بالرفع الذي ينافي القتل وهو الرفع
الجسماني دون الرفع الروحاني لا ينافي القتل بل يجامعه في نفس الامر وفي اعتقاد المخاطب
وكان الله عزيزا لا يعجزه شئ عن رفعه عليه السلام مع جسده حكيما في صنع رفعه وليس
احد من اهل الكتاب الا ليؤمنن به اى بعيسى قبل موته اى قبل موت عيسى سواء كان ايمانه
نافعا له كالايمان في حالة غير الباس او لم يكن نافعا له كايمانه في حالة الباس والايمان في غير
حالة الباس اعم من ان يكون قبل نزول عيسى او حين نزوله فهذا المعنى قد روعيت فيه

جہل مرکب ہے۔ کیونکہ جہل مرکب کا معنے یہی ہے کہ خلاف واقع ایک حکم لگایا جاوے۔ پس وہ اسکے
بارہ میں شک میں مبتلا ہیں۔ یعنے ایسے حکم میں کہ وہ خلاف واقع ہے۔ نہیں انکو یقین حاصل۔ بلکہ ظن
اور جہل مرکب کے تابعدار ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسیح (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا یعنے قتل کا نہ
پایا جانا یقینی ہے۔ ایسا اسواسطے ہے۔ کہ یقینا نفی (ما) کی قید ہے نہ منفی (قتلوہ) کی۔
(بل رفعه الله) بلکہ خداوند عز اسمہ نے مسیح کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے لیکن وہ اٹھا لینا کہ وہ (بجسدہ)
منافی قتل ہے نہ وہ کہ اس کا منافی نہیں یعنے رفع روحی۔ کیونکہ رفع روحانی واقع اور اعتقاد مخاطب
میں قتل کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے (وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا) خداوند تعالے کو مسیح (علیہ السلام)
کے بجسدہ مرفوع کرنے سے کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں (حکیما) خدا حکمت والا ہے رفع کے
کام میں۔ نہیں کوئی ایک بھی (من اهل الكتاب الا ليؤمنن به) اہل کتاب میں سے
مگر کہ مسیح پر ایمان لاوینگے۔ انکے مرجانے سے پہلے ہی خواہ وہ ایمان انکے لئے نافع ہی ہو جیسا کہ
حالت حیات میں یا نافع نہ ہو جیسا کہ مرگ کی حالت میں اور یہ ایمان کہ جو مرگ کی حالت
میں نہیں وہ اس سے عام ہے کہ مسیح علیہ السلام کے اترنے سے پہلے ہو
یا انکے اترنے کے بعد ہو۔ پس اس معنے میں غور کرو۔ کہ اسمیں ہر حال
ایمان کی حفاظت ہے۔ دیکھو ایک تو

محدب دائما ومركز العالم مركز دائما لا تغير ولا تبدل فيهما وعلى هذا يقال ان المسيح
عليه السلام لما كان في السماء الثانية فلا ريب في انه ابعد من المركز واقرب الى المحدب بالنسبة
الى من هو على وجه الارض فيكون فوق منهم على الارض وان سلمنا تحركه
بتحرك السموت فلا يلزم عدم تعين جهة الفوق له عليه السلام بل ما دام هو في السماء
متصف بالفوقية بالنسبة الى سكان الارض جميعا فاذا اراد الله تعالى نزوله انتقل من
مقره السماوي من محدب السماء الثانية بحيث يتزايد البعد فيما بينه وبين محدب
فلك الافلاك آنا فآنا من البعد الذي كان بينهما وبيننا قص كذلك البعد فيما بينه
وبين مركز العالم من البعد الذي كان حيث هو في مقره الى ان يصل الى سطح الارض وانت
تعلم ان الحركة من المحدب الاعلى وما يقرب به الى جانب مركز العوالم هو النزول كما ان
الحركة من جانب ذلك المركز الى جانب ذلك المحدب هو العروج فلم يلزم من تحركه

نہیں ہوسکتا وجہ یہ ہے کہ فلک الافلاک کا طرف اعلیٰ ہمیشہ اعلیٰ ہے اور مرکز عالم دائما مرکز ہی ہے
نہ انمیں تغیر اور نہ تبدل ہوتا ہے۔ پس بنا بریں کہا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام چونکہ دوسرے
آسمان پر ہیں۔ تو وہ بہ نسبت مرکز کے زیادہ تر بعید ہیں زمین کے باشندوں کی نسبت فلک
الافلاک سے طرف بالا سے زیادہ تر قریب ہیں۔ لہذا مسیح علیہ السلام زمین کے باشندوں
سے فوق ہونگے۔ گو انکا متحرک ہونا آسمانوں کے متحرک ہونے سے تسلیم کر لیا جاوے۔ اب
دیکھئے کہ جہت فوق متعین ہوا بلکہ جبتک کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں تب تک باشندگان
زمین سے فوق ہی کہلائیں گے۔ پھر جب کہ خداوند تعالےٰ نے انکے نزول کا ارادہ فرمایگا۔ تو یوں ہوگا
کہ مسیح علیہ السلام دوسرے آسمان کی طرف بالا پر سے حرکت کرینگے یہاں تک آناً فآناً انکا فلک الافلاک کی طرف
بالا سے بہ نسبت سابق بعد بڑھتا جاویگا اور وہ بعد جو انکو مرکز سے تھا گھٹتا جاویگا یہاں تک کہ زمین کی سطح پر آ
ٹھہرینگے اور اسیکو نزول کہتے ہیں کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ فلک الافلاک کی طرف بالا یا اوس طرف سے
سے جو مرکز سے نزدیک ہے حرکت کرنیکو نزول کہتے ہیں جیسا کہ مرکز عالم سے فلک افلاک کی طرف بالا کی
طرف حرکت کرنے کا نام عروج ہے۔ پس آسمانوں کے بتحرکات
پر متحرک ہونے سے

الخط الطولاني من جانب راس الانسان بالطبع من محدب فلك الافلاك وجهة
التحت على منتهى ذلك الخط مما يلى رجليه من مركز العالم وهاتان الجهتان لا تتبدلان
عوض ويطلق الفوق والتحت على الحدود التى بين المركز وبين المحدب ايضا لكن
اطلاقا اضافيا لا حقيقيا وكل من هذه الحدود المتوسطة يمكن اتصافه بكلا الوصفين
من الفوقية والتحتية مثلا محدب فلك القمر متصف بالفوقية بالاضافة الى مقعره
وما عداه من الحدود المتقاربة الى المركز ومتصف بالتحتية بالنسبة الى سائر الافلاك
فهذا الحد المعين فوق وتحت لكن بوجهين والحاصل ان كل حد يفرض ما بين المركز وبين
محدب الفلك الاعلى فما كان منهما اقرب الى المركز وابعد من المحدب فهو تحت وما
بالعكس فهو فوق بخلاف الحقيقيتين فان ما يتصف منهما بالفوقية لا يمكن ان يتصف
بالتحتية وما يتصف بالتحتية لا يمكن اتصافه بالفوقية لان محدب الفلك الاعلى

جو انسان کی سر کی طرف جس وقت کہ طبعی طور پر کھڑا ہو یا بیٹھا ہو کھینچا جاتے "منتہے" پر کیا
جاتا ہے۔ وہ فلک الافلاک یعنے عرش کا طرف بالا ہے۔ رہا جہت (نیچے کا طرف) اس کا
اطلاق اس خط کے منتہے پر ہوتا ہے کہ انسان کے پاؤں کے تلے سے کھینچا جاوے اور وہی
مرکز عالم ہے۔ یہ دو جہتیں کبھی متبدل نہیں ہوتی ہیں۔ لہذا حقیقی کہلاتی ہیں۔ فوق و تحت کا
اطلاق ان اطراف پر جو کہ مرکز عالم اور فلک الافلاک کی طرف بالا کے مابین ہیں کیا جاتا ہے۔ مگر
یہ اطلاق اضافی کہلاتا ہے۔ ہر ایک ان متوسط اطراف میں سے فوقیۃ و تحتیۃ سے موصوف ہوتے
ہیں مثلا کہتے ہیں کہ آسمان دنیا کا سطح بالا فوق ہے اور اسی آسمان کا وہ طرف جو نیچے کو ہے بہ نسبت مذکور
تحت ہے۔ ماسوا اسکے جتنے نزدیک تر مرکز کی طرف ہیں وہ باقی افلاک کی نسبت تحت ہیں اسلئے یہ معین
طرف ایک اعتبار (نیچے طرف کی نسبت) سے فوق اور دوسرے اعتبار (باقی افلاک کی نسبت) سے تحت
ہوا حاصل کلام یہ ہے کہ جو دو طرف مرکز عالم اور فلک الافلاک کے مابین فرض کئے جاویں انمیں سے جو مرکز سے
زیادہ تر قریب اور فلک الافلاک کی طرف بالا سے زیادہ تر بعید ہوگا وہ تحت ہے اور اسکا برعکس فوق ہے۔
حقیقی دو جہتیں انکے برخلاف ہیں کیونکہ جو انمیں سے فوق کہلاتا ہے وہ ہرگز تحت نہیں بن سکتا اور جو تحت ہے وہ ہرگز فوق

الى خلاف جهة السفينة وهذا القول وان كان مردودًا بان الارض ذات مبدأ ميل۔
مستقيم طبعا كما يظهر من اجزائها المنفصلة فيمتنع ان تتحرك على الاستدارة وبانها
لو كانت كذلك لما وصلت الطيور الى ما توجهت اليه من جهة المشرق عند طيرانها من
المغرب الى المشرق وان كانت المسافة التي بين مبدأ مسير الطيور وبين منتهاه مسافة قليلة
الا بعد مضي اكثر من يوم وليلة وبانه على هذا كان يجب ان يتخيل جميع ما في الجو من
الطيور متحركا الى جانب المغرب سواء كان ذلك الطائر متحركا بحركة نفسه الارادية الى
المشرق او المغرب وذلك لبطوء سير الطيور وسرعة حركة الارض وبوجوه اخرى تركنا
ذكرها وبقوله تعالى شانه والقى في الارض رواسي ان تميد بكم وبقوله الكريم ام من جعل الارض

ہوتا ہے کہ کشتی اسکے مخالف طرف کو جاتی ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ کشتی معہذا ساکن ہے۔" یہ مذہب
(یعنے زمین کا متحرک ہونا) گو مردود ہے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس مذہب کے پابند ہیں یا انکی باتوں
کو پسند کرتے ہیں انہوں نے کیا یہ نہیں سوچا تھا کہ اس طرح پر تمام باشندگان زمین مبتلائے عذاب ٹھیرینگے پھر اگر
باشندگان زمین کو اس سے معذب ہونا لازم آتا ہے تو وہ کیوں اسی دلیل سے اس مذہب کو باطل نہیں سمجھتے
معہذا کسی ایک مسلمان نے اور نہ کسی دوسرے فلسفی نے انکے اس مذہب کو بہیں دلیل باطل کیا البتہ عوام الناس
کو بگاڑنے کے لئے یہ بیان ہے عقلمند تو اس عذاب کی دلیل پسند نہیں کرتے۔ رہی یہ بات کہ زمین کا متحرک ہونا
یہ ایک مردود بات ہے سو اسکی وجوہ اور ہیں وجہ عذاب وجہ اول کہ زمین میں طبعا حرکت مستقیم کے میلان کا مبدء
موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مستقیمہ اور مستدیرہ آپسمیں مغائر ہیں کیونکہ مستدیرہ تو وہ حرکت ہے جو کہ گولیائی
پر ہو مستقیمہ وہ حرکت ہے کہ ایک سیدھے خط پر ہو اور یہ بات کہ انمیں میلان مستقیم ہے اس سے ثابت
ہے کہ جب ہم زمین کے اجزا الیلیں اور انکو پھینکیں تو وہ خط مستقیم پر ہی حرکت کرتے ہیں۔ لہذا زمین کا
استدارت پر متحرک ہونا مسلم نہیں ہے دوسری وجہ کہ اگر اس طرح پر وہ متحرک ہوتی تو چاہیئے تہا کہ جب جانور
مغرب کیطرف اوڑتا ہو مشرق کی جانب جاتا تو وہ منزل مقصود پر نہ پہنچتا۔ مگر بعد گزرنے دن اور رات
کے اکثر حصہ کے گو جسجگہ سے اسنے سیر شروع کی تہی اس سے مقصود تک تھوڑی ہی مسافت ہو حالانکہ واقعہ میں
اسکے برخلاف معاملہ ہے تیسری وجہ کہ اسصورت میں چاہیئے تہا کہ جتنے جانور زمین و آسمان کے مابین ہیں
انکے بارہ میں بھی خیال کیا جاتا کہ وہ مغرب کیطرف حرکت کر رہے ہیں خواہ وہ بالارادہ آپ ہی مشرق یا مغرب کو

بتحرك السموٰت على الاستدارة عدم تعين النزول له وايضًا لايلزم من تحركه بتحرك
السموٰت كونه مضطربًا وفي نوع من العذاب الاترى الى الذى ذهب اليه اهل الهيئة
اليوم من الافرنج ان الشمس فى وسط الكواكب التى تدور حولها وقالوا انها ليس لها
حركة حول الارض بل للارض حركة حولها وان الارض احدى السيارات عندهم
وهى عطارد والزهرة والارض والمريخ و ستة وقال بعضهم ان الارض هى التى تتحرك
هذه الحركة السريعة اليومية من المغرب الى المشرق و بسببها ترى الكواكب طالعة و
غاربة لانها اذا تحركت كذالك وكانت الكواكب ساكنة او متحركة الى تلك الجهة ايضًا
لكن بحركة ابطاء من حركتها ظهر لنا فى كل ساعة من الكواكب ما كانت محتجبة بحدابة
الارض فى جانب المشرق واحتجبت عنا بحدبتها فى جانب المغرب ما كانت ظاهرة لنا
فيتخيل ان الارض ساكنة وان الكواكب هى متحركة بتلك الحركة السريعة الى خلاف الجهة
التى تتحرك الارض اليها كما يتخيل ان السفينة الجارية فى الماء ساكنة مع كون الماء متحركًا

نزول کا غیر متعین ہونا لازم نہیں آتا۔ نہ انکا آسمانوں کے متحرک ہونے کیوجہ سے اضطراب و عذاب
میں ہونا ضروری ہوا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ زمانۂ حال کے ہیئت والے اور انگریزی ڈاکٹران کا یہ مذہب
ہے کہ آفتاب، جو ستاروں کے درمیان ہے اور وہ اسکے گرداگرد پھرتے رہیں۔ انکی حرکت کے بارہ میں
بیان کرتے ہیں کہ وہ زمین کے گرداگرد نہیں پھرتے ہیں بلکہ زمین ہی انکے گرداگرد پھرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ
زمین بھی ان سیارات میں سے ایک سیارہ ہے وہ سیارہ یہ ہیں۔ عطارد۔ زہرہ۔ زمین مریخ
وسنہ"۔ انہیں سے بعضی یہ کہتے ہیں کہ یہ سریعہ حرکت جو مغرب سے مشرق کی طرف دن بھر میں ہوتی
ہے زمین ہی کی حرکت ہے اسیوجہ سے ستارہ کبھی طالع کبھی چھپے ہوئے معلوم دیتے ہیں کیونکہ زمین
جبکہ مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتی ہے اور ستارہ ساکن ہوتے ہیں یا وہ بھی مشرق کی
طرف حرکت کرتے ہیں لیکن زمین کی حرکت سے انکی حرکت بہت ہی بطئی ہے" تو ہم ہر ساعت ان
ستاروں کو دیکھتے ہیں جو ہماری نظروں سے مشرق میں اس سے پہلے غائب ہوگئے تھے۔ ہماری نظروں سے وہ
ستارہ جو ہمکو نظر آرہے تھے مغرب میں ہماری نظروں سے غیب ہوجاتے ہیں اسی سبب ہمکو خیال آتا ہے کہ زمین ساکن ہے
اور ستارہ ہی یہ حرکت سریعہ مشرق سے مغرب کیطرف کرتے ہیں جیسا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے دریا کی طرف کو متحرک

مقبب کالخیمۃ وقد ورد انہ یحمل الیوم العرش اربعۃ من الملئکۃ وثمانیۃ منہم یوم القیمۃ
قال عزوجل ویحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیۃ ای یوم القیامۃ وعلی ھذا کیف
یستقیم کون الفلاک متحرکا بالحرکۃ المستدیرۃ ومما ورد فی القرآن انما ھو سیر الکواکب کما
قال تعالی لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون
وقال کل یجری الی اجل مسمی وقال ما اعظم شانہ فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس وفسر
بالنجوم الخمسۃ زحل والمشتری والمریخ والزہرۃ وعطارد ولئن سلم کون ذلک الفلک متحرکا
فلا نسلم انہ یلزم بحرکۃ تحرک سائر الافلاک لان الشرع لم یرد باتصال الافلاک فیما
بینھا بل ورد علی انفصالھا کما یظھر لمن تتبع الاحادیث ولم یثبت کونھا کرویۃ
بل ورد ان الارض بالنسبۃ الی السماء الدنیا کحلقۃ فی فلاۃ وھکذا سماء الدنیا بالنسبۃ

بالفعل چار فرشتوں نے اوٹھا رکھا ہے۔ دیکھو کہ قرآن شریف میں ہے کہ قیامت کو اسکو آٹھ
فرشتے اٹھائیں گے۔ پھر اب فلک الافلاک کا متحرک ہونا باوجود ان اخبار اور آیات کے کب ہو سکتا
ہے۔ ہرگز نہیں ہاں قرآن میں ستاروں کی حرکت کا بیشک ذکر ہے۔ دیکھو خداوند تعالی فرماتا ہے
کہ آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ ہر ایک کیا آفتاب
اور کیا چاند اور دوسرے ستارہ آسمان میں سیر کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہر ایک انہیں سے ایک
وقت معین تک سیر کرتا رہے گا۔" فرمایا ہے کہ قسم کھاتا ہوں ان پانچ ستاروں کی جو پیچھے
ہٹ جاتے سیدھے چلتے غیب ہوجانے والے ہیں۔ اور یہ ستارہ یہ ہیں۔ زحل۔ مشتری
مریخ۔ زہرہ۔ عطارد۔ اگر ہم یہ بھی لیں کہ فلک الافلاک متحرک ہے لیکن یہ ہم تسلیم نہیں کریں گے
کہ باقی آسمان اسکی تحریک سے متحرک ہیں۔ اسلئے کہ یہ اس صورت میں لازم تھا کہ اگر شرعا
آسمانوں کا ملاپ آپس میں ثابت ہوتا لیکن ملاپ تو ثابت نہیں ہے بلکہ شرعا ثابت ہے کہ آسمان آپس میں دور دراز
فاصلہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ احادیث وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ نیز آسمانوں کی کرویت بھی شرع سے
ثابت نہیں ہے۔ بلکہ شرع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین آسمان دنیا کے مقابلہ میں ایسی ہے کہ جیسے
کسی میدان میں حلقہ پڑا ہوا اسیطرح آسمان دنیا دوسرے آسمان
اور دوسرا تیسرے کی نسبت ہے۔

١٦٧٧٨

قرارًا وجعل خلالها انهارًا وجعل لها رواسی الآیۃ فمع بطلان ھذا القول نقول انہم مع کونہم عقلاء لم یمیزوا بین بطلان مذہبہم ھذا بظہور استلزامہ عذاب من ھو علی الارض ولم یورد علیہم احد ممن یخالفہم من المسلمین وسائر اھل المعقول ھذا الایراد نفسہم او ھام العامۃ الجہلۃ الذین لا حظ لہم من العلوم العقلیۃ تتزلزل بامثال ھذا وکل ھذا علی تقدیر تسلیم حرکۃ فلک الافلاک علی الاستدارۃ ثم بتسلیم حرکۃ سائر الافلاک بتحریکہا ایاھا ولنا ان نمنع حرکۃ فلک الافلاک المعبر بالعرش فی لسان الشرع علی الاستدارۃ لانہ لم یوجد فی الشرع دلیل قطعی یوجب الظن بذالک فضلا عن ان یوجب العلم القطعی کیف ولم یثبت ذالک فی خبر قوی بل ولا ضعیف ان العرش یتحرک علی الاستدارۃ ویحرک ما تحتہ من الافلاک بل قد ثبت فی اخبار صحیحۃ ان لہ قوائم وھذا بظاہرہ یابی ان یکون الفلک الذی یصفونہ علی ما یصفونہ ولا یابی ما مر من انہ

کی طرف متحرک ہوں اسلئے کہ زمین کی حرکت سریعہ پائی گئی۔ جانوروں کی حرکت بطی ہے۔ علاوہ القیاس اور وجوہ بھی ہیں جن سے کہ یہ مذہب باطل ہوتا ہے۔ مگر خوف طول اور خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے وہ مذکور نہیں ہوئے اور یہ بھی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں بھی زمین کا ساکن ہونا بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمنے زمین کو میخیں ٹھوکدیں "تمکو متحرک نہ کرے۔ کیسے خدا کے سوا زمین کو ساکن اور فرش بنایا۔ اور ہمیں نہریں جاری کیں اسکے پہاڑ انکو میخونکے قائم مقام بنایا ان سب آیاتسے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ساکن ہے لیکن ابتک جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے فلک الافلاک کے استدارت پر متحرک ہونا اور سکی تحریک سے باقی آسمانونکا متحرک ہونا مان کر بیان کیا ہے۔ اب ہم اسکے مطابق جواب دیتے ہیں کہ جو شرعًا ثابت ہے وہ یوں ہے کہ شرعًا فلک الافلاک وغیرہ ہرگز متحرک نہیں ہیں اسلئے کہ نہ قرآن سے ثابت ہے کہ عرش متحرک ہے اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ عرش کے لئے پائے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ متحرک نہیں ہے۔ اور اس سے وہ حدیث کہ جسمیں آیا ہے۔ کہ عرش خیمہ کیطرح قبہ دار ہے" انکاری نہیں ہے۔ آچکا ہے کہ خداوند تعالے کا عرش

العذاب الدائمی ممنوع مطلوب دلیلہ وانی لہ ذلک وقد عرفتہ مفصلا وتامل فیہ
بالنظر الصائب یظہر لک مبلغ انکشافہ فی علم الہیئۃ ودرکہ فی القواعد الہندسیۃ
لینکشف لک حقیقۃ دعواہ من المجددیۃ والمحدثیۃ وتقولہ المفتری فی ادعاء
المسیحیۃ واعترض علی العلماء الاسلامیۃ علی قولہم بان الفلسفۃ القدیمۃ تشہد
بان الجسم العنصری للانسان لا یمکن ان یبلغ الی الطبقۃ الزمہریریۃ وبان اہل فلسفۃ
الیوم قد حققوا بتوسط الصعود علی بعض الجبال ان اہویۃ رؤس تلک الجبال مضرۃ
منافیۃ لصحۃ البدن بحیث لا یمکن ان یبقی حیا حین وصولہ فی تلک الاہویۃ فاتفاق
سوابق الفلاسفۃ ولواحقہم علی ذلک یحیل ارتفاع المسیح علیہ السلام الی السماء اذ لا بد
لارتفاعہ الیہا من الوصول الی الطبقۃ الزمہریریۃ ونفوذہ فیہا فی اثناء الصعود الی السماء
والوصول الی تلک الطبقۃ لما کان غیر ممکن امتنع صعودہ الی السماء لاستلزام عدم امکان

آیا ہے" غلط ہے۔ ان سینوں معتقدات کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے دلیل طلب کرتے ہیں
مگر وہ دلیل کہاں یہ تو یوں ہی تقلقل ہے۔ ہمنے جو کچھ مفصل طور پر بیان کیا ہے وہ معلوم ہو ہی
گیا ہے اسمیں ناظرین خوب تامل کریں تاکہ قادیانی کے ہیئت دانی اور ہندسہ فہمی وغیرہ
علوم کے حالات معلوم ہوں۔ ان کے مجددیت و محدثیت و مسیحیت کے دعویٰ کی بنا روشن
روشن ہو" قادیانی علماء اسلام پر اسطور پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ پرانے فلسفہ سے ثابت
ہوتا ہے کہ انسانی جسم کو طبقہ زمہریریہ تک ہرگز رسائی نہیں۔ زمانہ حال کے فلاسفہ نے بھی تحقیق
یوں کرلیا ہے کہ وہ بعض پہاڑوں پر چڑھے وہاں پر جاکر معلوم کیا کہ انکی چوٹیوں پاس درجہ کی ہوا ہے
کہ وہ انسانی جسم کو سلامت رہنے نہیں دیتی۔ بلکہ اتنی بلندی پر پہونچکر ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا پس
متقدمین اور متاخرین کے اتفاق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز آسمان پر نہ چڑھے
ہوں کیونکہ رستہ اسقدر سردی ہے۔ کہ آدمی وہاں پر پہونچتے ہی مر جائے گا لہذا آسمان تک
مسیح علیہ السلام کی رسائی ہرگز متصور نہیں۔ پس جبکہ طبقہ زمہریریہ تک پہنچنا ہی غیر ممکن
ہے تو آسمان پر پہونچنا بھی غیر ممکن ٹھہرا اس لئے کہ جب ماسبق ہی ممکن
نہیں تو مابعد کیسے ممکن ہوگا

الی السماء الثانیة والثانیة بالنسبة الی الثالثة وهکذا والکل من الکرسی وما تحته
بالنسبة الی العرش کحلقة فی فلاة وظاهر انها لو کانت کرویة لما صح هذا التمثیل
واذا لم یثبت کرویة الافلاک لم یثبت حرکتها علی الاستدارة ولما لم یثبت الاتصال
فیما بین الافلاک ثم تسلیم تحرک فلک الافلاک لا یلزم تحرک ما تحته من الافلاک
بل عرفت ان نفس حرکة الفلک الاعلی ایضاً لم تثبت فلم یرد ما زعم المستدل بطریق
الالزام تقلیداً للاوهام العامة وحاصل کلامنا هذا کله ورود منوع متعاقبة مترتبة
علی استدلاله بانا لا نسلم کون الفلک الاعلی متحرکاً ولئن سلم فلا نسلم انه متحرک
علی الاستدارة ولئن سلمناه فلا نسلم ان تحرکه یلزم تحرک باقی الافلاک لتوقفه
علی اتصالها ولا اتصال فلا یلزم تحرکها حتی یتحقق ما زعموه ولئن سلم کل ذلک فلزم
المحذورات الثلث من عدم تعین جهة الفوق له وعدم تعین النزول له وکونه فی

باقی علیٰ ہذا القیاس سب آسمان کرسی کے اور کرسی مع ماتحت کے فلک الافلاک کے سامنے اس حلقہ
کی مانند ہیں جو میدان میں پڑا ہو۔" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگر آسمان کروے ہوتے۔ تو یہ
تمثیل صحیح نہوتی۔ اسواسطے ماننا پڑیگا کہ وہ کروی نہیں ہیں۔ پس جبکہ کرویت نہ رہی تو خود حرکت مستدیرہ
بھی جاتی رہی۔ کیونکہ مستدیرہ حرکت سے تو وہی متحرک ہوتا ہے جو کروی ہو۔ علاوہ جبکہ آسمانوں کے
مابین اتصال ثابت نہوا تو اگر ہم فلک الافلاک کا متحرک ہونا مان بھی لینگے۔ تو اسکے متحرک ہونے سے
اُسکے ماتحت آسمانوں کا متحرک ہونا لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ تم جان چکے ہو۔ کہ فلک الافلاک متحرک بھی نہیں بنا بریں
جو کچھ کادیانی نے الزام کے طور پر استدلال عام خیالات کی تقلید سے پیش کیا تھا ہرگز پیش ہونے کے قابل
نہیں ہے۔ اور سراسر مردود ہے۔ ہماری ساری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ہم انکی استدلال پر گوناگون پے در پے
ترتیب وار اعتراضات وارد کرتے ہیں بایں طور کہ اولاً فلک الافلاک کا متحرک ہونا نہیں مانتے ہیں۔ اگر
یہ مان لینگے تو پھر اسکا استدارت پر متحرک ہونا نہیں مسلم ہے۔ اسکو بھی اگر مان لیں تو پھر یہ تسلیم نہیں کرتے
کہ اسکی تحریک سے باقی آسمان بھی متحرک ہیں۔ کیونکہ یہ بات آسمانوں کے آپس میں متصل ہونے پر موقوف ہے۔
لیکن وہ تو متصل ہی نہیں۔ پس اسکی تحریک سے انکا متحرک ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ اگر ہم یہ سب کچھ تسلیم کریں
تو ہمارا یہ کہنا کہ نہ جہت الفوق اور نہ نزول متعین ہوتا ہے اور بصورت تعین مسیح کا مذاہب ثلاثہ میں مبتلا ہونا لازم

ومن المعلوم بالبداهة العقلية ان تلك الكيفية تشتد وتضعف حسب مسامتة
الشمس كما في النهار وعدم مسامتها كما في الليل ولاختلاف اجزاء الطبقة
فيها صيفا وشتاء وشمالا وجنوبا فاختلافها كذلك ادل دليل نفي كونها
ذاتية لها واما كونها لازمة لتلك الطبقة فذلك اما باعتبار ذاتها واصلها وهي
نفس البرودة وظاهر انها لا تنافي حيوة الانسان واما باعتبار مرتبة معينة
من مراتبها المنافية لها فهي غير متعينة بعد وبعد تسليم تعينها فلزومه
غير مسلم فاين اللزوم ولئن سلم اللزوم فذلك اللزوم عادي لا عقلي

کبھی شدت اور کبھی ضعف سے موصوف ہو یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ طبقہ کبھی ضعیف ہوتا ہے
چنانچہ جب آفتاب طبقہ کی سمت پر ہو جیسا کہ دن میں اور کبھی وہ شدید البرودہ ہوتا ہے۔ جیسے
اس صورت میں کہ آفتاب اس کے ساتھ مسامتت نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ رات میں نیز
اس میں تشکیک اس وجہ سے بھی ہے۔ کہ گرمیوں اور جاڑے میں بلکہ جنوب اور شمال میں
اسکے اجزا سردی میں برابر نہیں ہوتے کیا جیسے کہ گرمیوں میں اس میں سردی ہوتی ہے ویسے ہی
جاڑے میں ہوتی ہے ہرگز نہیں بلکہ جاڑے میں شدید اور گرمیوں میں ضعیف ہوتی ہے۔ پس اس قسم کا
اختلاف صریح طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کیفیت اس طبقہ کے ذاتیات میں سے نہیں ہے اب یہ
اس کیفیت کا طبقہ مذکورہ کے لوازم سے ہونا سو یہ اس طرح پر ہوگا۔ کہ اس کیفیت کا اصل اور
نفس (یعنی بلا شدت و بلا ضعف) اس کو لازم ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ اصل برودت
انسانی بدن سے منافات نہیں رکھتی اور نہ انسان کو جان سے مار دیتی ہے۔ یا
کہو گے۔ کہ نہیں ہم تو اصل برودت کو لازم نہیں کہتے بلکہ اسکے ایک خاص درجہ کو
لازم سمجھتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ مرتبہ اور درجہ ابھی تک
معین نہیں ہوا اور اگر ہم اس خاص درجہ کا ہونا بھی تسلیم کر لیں
لیکن یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کبھی اس طبقہ سے جدا نہیں ہوتا پھر لزوم
کہاں رہا۔ اچھا جی لزوم بھی مانا لیکن
مستفسر ہے کہ وہ لزوم عادی ہے یا عقلی عقلی تو نہیں ہے اجی عقلی کو بھی منع نہیں کر اپنے

المعد لعدم امكان المعدله ولا يخفى عليك ان كل ذلك سفسطة وتزئين للباطل
وتمويه للفاسد لعاطل لا يستتر وهنه على اللبيب العاقل فان ما ترتب عليه امتناع
صعوده عليه السلام من عدم امكان وصول البدن الانساني الى الطبقة الزمهريرية
معللا بمنافاتها لحيوة الانسان غير مسلم لان عدم امكانه اليها يتوقف على عدة امور منها
استواء جميع اجزاء الطبقة فى هذه الكيفية المضرة وهذا ممنوع لابد له من دليل بل باعتبار
اختلاف نسبة اوضاع الشمس الى العوالم العنصرية يشهد الوجدان بخلافه ومنها
كونها ثابتة لتلك الطبقة فى مرتبة ذاتها ثبوت الذاتيات للذات بحيث يستحيل
انسلاخ تلك الكيفية عن هذه الطبقة فى مرتبة ذاتها وهو ايضا ممنوع فان نسبة
الكيفية الى الطبقة لو كانت بهذه المثابة لكانت ذاتية لها وقد ثبت فى مقرها ان لا
تشكيك فى الماهية ولا فى ذاتياتها والتشكيك فى المتكيفات انما يكون بالشدة والضعف

(معد اسکو کہتے ہیں کہ جسکا عدم بعد الوجود متاخر کے لئے سبب ہو جیسے پہلا قدم دوسرے قدم کے
لئے) الجواب یہ ساری تقریر ہی معترض کی گویا باطل کو زینت دینا ہے تانبے کو سونے کا پانی چڑھا کر سونے
کے بہاؤ بیچنا ہے۔ لیکن ایسی بناوٹ دانشمندوں سے کب پوشیدہ رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طبقہ زمہریریہ
تک بدن انسان کا وصول ممکن ہے اور اسکا ناممکن ہونا ہرگز مسلم نہیں پس مسیح علیہ السلام کا آسمان پر
چڑھنا بھی ممتنع نہیں ہوا رہی یہ بات کہ انسان کا وصول کیوں ناممکن نہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا
ناممکن ہونا چند امور پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ طبقہ زمہریریہ کے تمام اجزا اس ضرر رسانی کیفیت میں برابر ہوں
لیکن ہم اس برابری کو تسلیم نہیں کرتے اسکے لئے تو کوئی دلیل چاہئے بلکہ اگر اس بات کا لحاظ کریں کہ آفتاب
کی محاذات کو عنصریات و عناصر کی طرف گوناگون نسبتیں ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ طبقہ زمہریریہ
کے اجزا کی سردی برابر نہیں۔ دوم یہ کہ وہ سردی طبقہ زمہریریہ کی ذات میں داخل ہو جیسے کہ ذاتیات
ذات میں داخل ہوتے ہیں اس طرح پر کہ وہ سردی اسکے مرتبہ ذات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ بھی
مسلم نہیں کیونکہ اگر یہ سردی اسکے ذاتیات سے ہوتی تو چاہئے تھا کہ وہ کبھی شدت اور کبھی ضعف
کے ساتھ موصوف نہ ہو حالانکہ وہ اس طرح پر موصوف ہوتی ہے۔ جب ایسی ہوتی تو ذاتی نہیں ہو سکتی۔
اسلئے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذات ذاتیات میں تشکیک نہیں لیکن طبقہ زمہریریہ تو متشکک ہے کیونکہ متشکک ہونا بھی ہے

كون برودتها بالتبع وبالعرض لان عنصر الهواء بحسب ذاتها حار رطب كما هو مصرح في كتب الطب ولما لم تكن الكيفية ذاتية لها ولا لازما عقليا يمتنع انفكاكها عنها فجاز انفكاكها عنها حين صعود المسيح عليه السلام الى السماء لامكان وجود ما يقتضي كسر سورة البرودة عن مسيره من تلك الطبقة من مجاورة الادخنة الغليظة المشتعلة التي ترى منها صور مختلفة كالنيازك والرماح والحيوانات ذي القرون وغيرها سواء كانت الادخنة المشتعلة ممتدة متصلة بالارض التي تسمى بالحريق او غير متصلة بها فلم يمتنع صعوده عليه السلام الى السماء من اجل البرودة المفرطة التي في تلك الطبقة الكائنة في مسافة ذهابه اليها ومنع حرارة كرة النار لمسيره اليها كذلك لما عرفت من ان الحرارة للنار لازم عادي يجوز انفكاكها عنها ولو ابدا ومن الامور المتعددة التي قلنا بتوقف عدم امكان وصول البدن

باوجود اسکے کہ وہ بالعرض سرد ہے" کیا حال ہونا چاہئے کیا معلوم نہیں کہ عنصر ہوا بذاتہا گرم تر ہے دیکھو کتب طب۔ چونکہ سردی نہ اسکی ذاتی ہے اور نہ لازم عقلی۔ تو اس کا اس سے جدا ہونا کیسے ناروا ٹھہرے گا۔ لہذا بر وقت صعود مسیح علیہ السلام کے سردی کا نابود ہونا جائز ہوا اسلئے کہ ممکن ہے کہ صعود کے وقت میں وہ چیزیں موجود ہو گئی ہوں جو سردی کی تیزی کو دور کرنیوالی ہیں۔ جیسے کہ غلیظ دھوئیں اسکے پاس ہی جلکر روشن ہوئے ہوں چنانچہ بسا اوقات وہی ہوئیں جلکر نیزوں کی شکل اور سینگ والے حیوان وغیرہ کی ہیئت میں دکھلائی دیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ اتنے لنبے ہوں کہ زمین سے متصل ہو جائیں بلکہ کبھی متصل بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں اسکا نام حریق ہے اور کبھی زمین سے متصل نہیں ہوتے پس چونکہ ایسے اسباب کا جو سردی کی تیزی کو دور کردیتے ہیں مہیا ہونا ممکن ہوا۔ تو مسیح علیہ السلام کا آسمان پر چڑہنا بھی ممکن ہوا۔ شاید اب کوئی کہے کہ طبقہ زمہریر سے اوپر ایک اور طبقہ ہے جو جلانے والا ہے تو مسیح اس سے بچکر کسطرح آسمان پر چڑھ گئے۔ تو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ حرارت آگ کے لئے ایک عادی لازم ہے اسلئے اسکا کرہ نار سے جدا ہونا جائز ہے۔ گو یہ جدائی ابدی ہو۔ بر وقت کے لازم عقلی

يمتنع انفكاكه عن ملزومه كما يمتنع انفكاك الزوجية عن الاثنين واللازم العادي يجوز انفكاكه عن ملزومه كلزوم السكر للخمر فانه لازم عادي للخمر ولذا ينفك عن الخمر بالملح وبالخل والحرارة للنار كذلك لازم عادي ولذا خاطبها الله تعالى في حق ابراهيم عليه السلام بقوله عز وجل قلنا يا نار كوني بردًا وسلامًا على ابراهيم فانقادت وتبردت كما اخبر به عز وجل فما كان جواب قومه الا ان قالوا اقتلوه او حرقوه فانجاه الله من النار كيف ولو كانت الحرارة لازمة لها باللزوم الذاتي لانتفت النار بزوال الحرارة وذكر المؤرخون ان النار تبردت على ابي مسلم الخولاني حين امر مسيلمة الكذاب بنار عظيمة حتى اشتعلت وتوقدت فامر بالقاء ابي مسلم فيها فالقي فلم تضره النار فاذا كان حال الحرارة بالنسبة الى النار كذلك مع ان حرارتها ذاتها فما بال البرودة بالنسبة الى الطبقة الزمهريرية من الهواء مع

ملزوم سے کبھی جدا نہو جیسا کہ دو کے واسطے جفت ہونا لازم ہے اور یہ زوجیۃ کا وصف اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ عادی لازم کا اپنے معروض سے جدا ہونا جائز ہے دیکھو سکر شراب کے لئے عادی لازم ہے اسیواسطے اگر اسمیں نمک یا سرکہ ڈالدیا جاوے تو سکر زائل ہوگا۔ حرارت آگ کے واسطے عادۃً لازم ہے۔ اسلئے خداوند تعالے نے ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں آگ سے خطاب فرمایا کہ اے آگ تو ٹھنڈی سرد ہو ابراہیم کے لئے۔ پس وہ آگ سرد ہوگئی۔ چنانچہ اسکی خود حق سبحانہ خبر دیتے ہیں کہ پھر بھی ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے بجز اسکے اور کچھ نہیں کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا انکو جلادو۔ پس خداوند تعالے نے ابراہیم کو آگ سے بچالیا! اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حرارت جو ایک عادی لازم تھی وہ آگ سے جدا ہوگئی تھی کیونکہ اگر یہ لازم ہوتی تو چاہئے تھا کہ حرارت معدوم ہوجاتی تو آگ بھی معدوم ہوجاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا معتبر مورخین نے بیان کیا کہ مسیلمۃ الکذاب نے ابی مسلم خولانی کے جلا دینے کا حکم دیا تھا اسلئے قوم نے انکو آتش سوزاں میں ڈالدیا۔ مگر وہ نہ جلے آگ سرد ہوگئی تھی۔ اب دیکھئے یہاں بھی حرارت آگ سے جدا ہوگئی تھی پس جبکہ آگ سے حرارت کو باوجود آنکہ وہ آگ کی ذات کو عارض ہے یہ نسبت ہے تو سردیکا بہ نسبت طبقہ زمہریریہ کے جو ہوا کا ایک مرتبہ ہے

واهتمام البیان وامثالهما فیحتمل التقدیم فی الآیة توافق الفواصل فلم تتعین
افادة الحصر ولئن سلمنا ذلك فباعتبار الاکثر لا باعتبار الکل ولو باعتبار
الکل ایضًا فبخصوص الحیوة فی عالم الناسوت الذی هو محل الکون والفساد
دون الحیوة المطلقة التی من جملتها الحیوة السماویة اذ لو تعلق الانحصار بالحیوة
مطلقا انتقض بحیوة اصحاب الجنة فی الجنة وبحیوة اهل النار فی النار الی الابد ولا باعتبار
الحیوة الناسوتیة ایضًا من التقیید بغالب الاحوال والا انتقض بمن سار فی الهواء
بواسطة الطیران علی طریق خرق العادة کما وقع لبعض الکبراء او بواسطة الرکوب علی
البالون الدخانی العصری کما شاهده کثیر من ابناء الزمان فلا منافاة حینئذٍ بین التصدیق
بقوله تعالی المذکور وبین التصدیق بکون المسیح بن مریم حیًا فی السماء کما لا یخفی علی

اور فاصلوں کی رعایت سے اور کبھی بیان کے اہتمام کے لئے بھی جار ومجرور کا تقدیم ہوتا ہے وغیرہ۔
پس آیت مذکورہ میں جو جار ومجرور کا تقدم ہے فاصلوں کی موافقت کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس تقدیم کا
صرف حصر کے واسطے ہی ہونا متعین نہیں ہوا۔ اگر مان بھی لیں کہ یہ تقدیم صرف حصر کے ہی واسطے ہے تو
بریں تقدیر ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب اکثر بنی آدم کے لئے ہو نہ کل کے لئے۔ اگر اسے باعتبار کل کے بھی لینگے
تو ہم اسکے قائل ہیں کہ یہ اسی حیات سے خاص ہے جو عالم کون وفساد میں ہے[1] نہ یہ کہ اس سے مطلق حیات
مراد ہے جسکے افراد سے سماوی زندگی بھی ہے اسلئے کہ اگر یہ انحصار مطلق حیات سے متعلق ہوتا تو
چاہئے تھا کہ اس آیت کا مفہوم بہشتیوں اور دوزخیوں کی ابدالآباد زندگی کے ساتھ منقوض ہوا۔ پس یہ تو
ظاہر ہے کہ وہ زندگی بھی مطلق زندگی میں مندرج ہے۔ نیز جبکہ ہم آیت سے عالم کون وفساد کی زندگی مراد لیں
لیں گے تو اسمیں اکثر احوال کی بھی قید لگانی چاہئے ورنہ یہ بھی منقوض ہوگا۔ وہ یوں کہ اسی عالم میں بعض
احوال میں بعضے انسان صرف زمین ہی کے اوپر تمام زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ بعض کا ملین نے خرق
عادت کے طور پر بھی کچھ حصہ زندگی کا اسی عالم میں طیر انکی حالت میں بسر کیا ہے حالانکہ اسکا اتفاق زمین
پر نہیں تھے لیکن ایسے لوگ چونکہ خرق عادت وکرامت کو نہیں مانتے ہیں تو انکے لئے انکی رائیوں کے موافق
تمثیل دینگے۔ وہ یہ ہے کہ بعض لوگ غبارہ پر بیٹھکر جو کی سیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہمزمانوں نے اس تماشا کو
دیکھ لیا ہے۔ اب کبھی کبھی ایسے جو میں حصہ عمر کا بسر کرتے ہیں نہ زمین پر پس اس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ

[1] کون وفساد کا معنے یہ ہے کہ ایک صورت نوعیہ کو قبول کرنا اور پہلی کو چھوڑ دینا۔ چنانچہ پانی جبکہ ہوا بنجاتا ہے تو وہ
صورت مائیہ کو چھوڑکر صورت ہوائیہ کو قبول کر لیتا ہے ۱۲ منہ ناجم

متساوی الکیفیۃ البرہ یۃ فکیف اذا انتفی کل من ھٰذہ الامور الموقوف علیھا اعتراضہ واستلزام انتفاء الموقوف علیہ لانتفاء الموقوف من المعلومات بالضرورۃ۔ واستدل ایضاً بقولہ تعالیٰ فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون وتھذیبہ ان فی الآیۃ تقدیم الجار والمجرور المتعلق بالفعل اعنی تحیون وذٰلک لافادۃ الحصر فیئول معناہ الی انہ لاحیوٰۃ لاحد من بنی آدم الا فی الارض فلو کان المسیح علیہ السلام حیاً فی السماء للزم بطلان ھٰذا الحصر المستفاد من قول اللہ عزوجل فالاذعان بقولہ تعالیٰ وفیھا تحیون لایجتمع مع القول بکونہ حیاً فی السماء فلابد من القول بکونہ میتاً کسائر الانبیاء علیھم السلام و کونہ مرفوعاً بالرفع الروحانی دون الجسدی اقول بتوفیق اللہ عزوجل حصر التقدیم فی افادۃ الانحصار مخدوش بل التقدیم قد یکون لاغراض اُخر کرعایۃ القوافی والفواصل

برابر ہونا مان لیا گیا" تو جواب دیا گیا ہے۔ پس خود ہی سمجھ لو کہ کادیانی کا اعتراض جن تمام امور پر موقوف ہے وہی سب کے سب جب مرتفع ہوں تو اس کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔ آخر یہ تو معلومات سے ہے کہ جب موقوف علیہ ہی نابود ہو تو موقوف بھی بالضرور معدوم ہونا چاہیئے۔ کادیانی اپنے دعوے کے لئے اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ "زمین پر ہی زندہ رہوگے اور وہیں پر مرجاؤگے اور وہیں سے زندہ ہوکر محشور کیئے جاؤگے" اسکے استدلال کا طریقہ اور تہذیب یوں ہے کہ آیت میں جار و مجرور (فیہا۔ منہا) جو فعل (تحیون۔ تموتون۔ تخرجون) کے ساتھ متعلق ہیں مقدم کیا گیا ہے اور یہ تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے اسلئے آیت کا معنی یہ ہوا کہ زندگی نہیں کسی ایک انسان کے لیئے مگر زمین ہی پر نہ اور کہیں۔ پس اگر مسیح ع آسمان پر زندہ ہونگے تو اس حصر کا باطل ہونا ضروری ٹھہریگا۔ لہٰذا ہم مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے پر اور پھر اس آیت کے مضمون پر کیسے اذعان کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ع زندہ نہیں ہیں بلکہ مسیح بھی ویسے ہی مرگئے ہیں جیسے کہ اور حضرات انبیا علیہم السلام مرچکے ہیں ویسے ہی وہ بھی اور انکی روح مرفوع ہوئی ہے۔ نہ بجسدہ۔ الجواب تقدیم کا افادہ حصر ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اسکا مقدم کرلینا دوسرے اغراض کیلئے بھی ہوتا ہے جیسے کہ قافیوں

او النبوة وفي هذا تحقير لهم ولا يناسب ذلك لعلو حالهم وقد تقرر في كتب العقائد ان الانبياء بعد انتقالهم من دار الدنيا لا يعزلون عن مناصب النبوة بل صرح في بعضها بتكفير من قال بهذه الجملة او هل هم متصفون بوصف النبوة وهذا يخالف قول الله ولكن رسول الله وخاتم النبيين لان خاتميته تقتضي ان لا يكون بعده نبي فكيف يصح ان يكونوا موصوفين بالنبوة بعد كون نبينا صلى الله عليه وسلم مبعوثا وكيف لا يعزلون عن منصب النبوة في المعاد فما هو جوابك عن هذا النقض الوارد فهو جوابنا عن اعتراضك المزخرف والحل ان المسيح عليه السلام حين تمكنه في السماء وحين نزوله وكذا هو وسائر الانبياء في البرزخ وفي المعاد متصفون بوصف النبوة والرسالة غير معزولين عن مناصبهم

یا عالم آخرت میں موصوف ہونگے یا نہ اگر کہہ دینگے کہ معزول ہیں یا معزول ہونگے تو یہ صاف سب پیغمبروں کی ہتک ہے اور یہ انکی عالی شان کے مناسب ہے۔ بھلا ایسا کیونکر ہو کتب عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد الانتقال ہرگز اپنے مناصب سے معزول نہیں ہوتے بلکہ بعض نے صراحۃً لکھا ہے کہ جو شخص اس عزل کا قائل ہوگا وہ کافر ہے اسلئے ماننا پڑے گا کہ وہ دونو عالموں میں صفت رسالت و نبوت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات کادیانی کے بطرز پر آیت سے مخالف ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک آیت سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد کسی نبی کو نبوت و رسالت کی صفت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔ پس وہ پیغمبر عالم برزخ میں رسالت و نبوت سے کیسے موصوف ہو سکتے ہیں اور کیوں نہیں عالم آخرت میں انسے عہدہ رسالت و نبوت کا چھینا گیا ہوگا۔ آخر وہ وقت بھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکے بعد ہی ہے پس جو کچھ کادیانی جواب دیگا وہی ہماری طرف سے بھی جواب ہے۔ ثانیاً ہم تفصیلی نقض پیش کرینگے وہ یوں ہے کہ مسیح علیہ السلام جسوقت کہ وہ آسمان پر مستقر ہیں اور جس زمانہ میں اترینگے اسیطرح باقی انبیاء عالم برزخ میں اور آخرت میں بالضرور رسالت و نبوت کے ساتھ موصوف ہیں اور ہونگے

سلہ شاید بعض لوگ یہ کہدیں کہ عالم برزخ اور آخرت مستثنے ہے ہم انکے جواب میں کہدیں گے کہ مسیح بھی مستثنے ہے۔

سے حضرت مولانا مدظلہم کا یہ فرمودہ فما ہو جوابکم فہو جوابنا خوب ذہن نشین ہوگا ۱۲ مترجم

من له ادنى تأمل وبتر استدلالاته المزخرفة الواهية ان لو كان عيسى حيًّا في السماء
ونازلًا قبيل قيام الساعة فلا يخلو اما ان يكون حين نزوله معزولًا عن وصف الرسالة
وفي مثل هذا النزول تنزيل لشانه وتحقير لمكانه ولا يليق ذلك بشان الرسل
او ينزل وهو رسول متصف بوصف الرسالة كما كان قبل رفعه الى السماء وهذا ينافي
قول الله عز وجل في حق نبينا المطهر المكرم صلى الله عليه وآله وسلم وشرف وعظم
ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين الآية وخاتمهم
من لا يكون بعده نبي كما قال عليه الصلوة والسلام لا نبي بعدي فاذا لم يكن بعده
نبي فكيف ينزل عيسى وهو رسول نبي وجوابه بالنقض بان ما عدا النبي صلى الله
عليه وسلم من الانبياء كلهم حال كونهم في البرزخ بعد بعث نبينا صلى الله
عليه وسلم او حال ما يكونون في عالم المعاد هل هم معزولون عن وصف الرسالة

یقین کر لینے اور مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے تسلیم کرنے میں کوئی منافات نہیں
آتی چنانچہ تامل سے ظاہر ہے۔ کادیانی کی استدلال یہ بھی ہے کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر
زندہ ہوں اور وہی پھر اتر پڑیں گے تو یا تو نزول کے وقت وصف رسالت سے منزل ہونگے حالانکہ
یہ انکی تحقیر اور اہانت ہے یا تو اس وصف کے ساتھ موصوف ہوتے ہی اتریں گے جیسے کہ رفع سے
پیشتر رسول تھے لیکن قرآن میں ہمارے سید مولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان
میں فرمایا گیا ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مردوں میں سے کسی ایک کے
باپ ہاں پر وہ خداوند تعالے کے رسول ہیں پیغمبروں کے خاتم ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ
آپکے بعد کوئی نبی از سر نو مبعوث نہیں ہوگا چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ میرے بعد
کوئی نبی سر نو مبعوث نہیں ہوگا۔ پس جبکہ انکے بعد کوئی نبی نہیں تو مسیح علیہ السلام نبوت کی حالت
کیسے نازل ہو سکتے ہیں پس یہ عقیدہ کہ مسیح نبی ہی ہوتے اتریں گے صاف طور پر آیت کے
مخالف ہے۔ الجواب پہلے ہم اجمالاً نقض کریں گے۔ بایں طور کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد جتنے پیغمبر تھے وہ تمام عالم برزخ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے
کے بعد وصف نبوت سے موصوف تھے

لا تحصیٰ ثم اکد ذلک المعترض هذا الاعتراض المزخرف فی موضع اٰخر من کتابه
بان المسیح لو کان حیًّا فی السماء منتظرًا نزوله الی الارض فاذا نزل والحال انه لا یعرف
العربیة فیحتاج الی علم القراٰن ولا یتیسر له ذلک لعدم معرفته العربیة ویتعسر له
التعلم فی تلک الحالة لشیخوخته فیحتاج الی ان ینزل علیه کتاب جدید بلسانه
فیقرء الناس کتابه ویقرء فی صلوته من ذلک الکتاب ویعلم الناس الکلمة
بلسانه وفی هذا استیصال لدین الاسلام اقول متمسکًا بلا حول ولا قوة الا بالله
العلی العظیم ومستعیذًا بالله من الشیطان انضال المضل الرجیم ان کل ذلک
سفسطة من سفسطاته ولا ادری انه کیف حصل له العلم الیقینی بان المسیح لم یکن
یعرف العربیة مع کون العبریة کثیر التوافق کالفنجابیة والاردویة
فهل یتعسر لمن یعرف احدی اللغتین معرفة اللغة الاخری منهما واما شاهد

پھر اس کادیانی نے اپنے اس اعتراض کو دوسرے مقام پر اپنی کتاب میں تائید کی ہے
کہ اگر مسیح ع آسمان پر نزول کے لئے منتظر ہیں تو جسوقت اُتریں گے تو اُسوقت تو وہ عربی
نہیں جانتے ہونگے۔ لہذا علم القرآن کیطرف محتاج ہونگے اور یہ تو اُن کے لئے آسان
نہیں ہے کیونکہ وہ عربی جانتے ہی نہیں اور کسی سے تعلیم پانا بھی اُن کے واسطے مشکل
ہے۔ اُسوقت وہ سن شیخوخت میں ہونگے۔ لہذا لازم ہوا کہ اُنپر کوئی نئی کتاب انہی کی
زبان میں نازل ہو۔ تاکہ لوگوں کو تعلیم دیں اور نماز میں پڑھیں۔ لوگوں کو اپنی زبان میں
ہی کلمہ توحید کی تعلیم دیں حالانکہ دین اسلام کو گویا جڑھ سے اکھاڑتا ہے۔ ہم لاحول ولا قوۃ
سے تمسک کرکے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم انضال والمضل پڑھکر اسکا جواب دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ
باطل ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کادیانی کو یہ علم یقینی کہاں سے حاصل ہوا کہ مسیح علیہ السلام عربی نہیں
جانتے۔ حالانکہ عبری اور عربی زبان آپس میں بہت ہی موافق ہے۔ جیسے کہ پنجابی۔ اردو زبان
ایکدوسری سے بہت کچھ موافق ہے۔ اب کہیے کہ پنجابی دان پر اردو کا جان لینا
دشوار ہے ہرگز نہیں۔ پس کادیانی کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر
عربی کا علم دشوار ہے مردود ہے۔ کیا دیکھا نہیں گیا ہے۔ کہ

وقول الناقص ان هٰذا يخالف قول الله عز وجل ما كان محمد الآية غير متوجه
اذ النبي صلى الله عليه وسلم آخر الانبياء بعثًا بمعنى انه اوتي النبوة بعدما اوتيها
سائر النبيين عليهم من الصلوٰة اتمها ومن التسليمات اكملها وليس بآخرهم
بقاءً بمعنى ان كلهم مما عداه صلى الله وسلم عليه وعليهم بعد رسالته صاروا
معزولين عن مناصب نبواتهم ورسالاتهم ولا منافاة بين كونه صلى الله عليه
وسلم خاتم النبيين وآخرهم وبين بقاء نبواتهم ورسالاتهم لان المعية
بين الشيئين بقاءً لا ينافي بعدية احدهما واولية الآخر حدوثًا كما ترى
في البناء والبنّاء وفي الابن والاب فان حدوث البناء بعد حدوث البنّاء و
حدوث الابن بعد حدوث الاب مع تحقق المعية بينهما بقاءً وامثلته كثيرة

رہی یہ بات کہ یہ عقیدہ آیت (جس کا مضمون مختصر یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم خاتم الانبیاء ہیں) سے مخالف ہے سو ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بعثاً آخر الانبیاء ہیں بایں معنے کہ وہ بعد از انکہ باقی انبیا علیہم السلام نبوت دیئے گئے ہیں ان
نبوت عنایت کئے گئے اور آپ بقاءِ نبوت ہیں ان سے متاخر نہیں ہیں یعنے آپکے خاتم النبیین
ہونیکے یہ معنے نہیں کہ اور پیغمبروں سے پیغمبری چھینی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم
النبیین[1] ان سے متاخر ہوئے۔ ان پیغمبروں کی رسالت و نبوت باقی رہنے میں کچھ منافات
نہیں ہے کیونکہ دو چیزوں کی بقاء میں معیت ایک کی بعدیت۔ دوسرے کی حدوثاً اولیت کو منافی نہیں
ہے دیکھو عمارت اور معمار۔ بیٹا۔ باپ اسلئے کہ عمارت معمار کے موجود ہونیکے بعد موجود
ہوتی ہے۔ بیٹا باپ کے موجود ہونے کے بعد موجود ہوتا ہے۔ معہذا عمارت معمار۔ بیٹا۔
باپ بقا میں معیت رکھتے ہیں۔ دوسری مثالیں بھی ہیں لیکن اتنے ہی مثالوں پر کفایت
کی گئی۔

[1] قادیانی صاحب کے حدیث نے بھی جسکا مضمون ہے کہ میرے بعد وحی نہیں اترے گا۔ دعویٰ مسیحیت
پر چپت رسید کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انکو اتنے عریض و طویل دعوے کے ہوتے پتہ معلوم نہیں
ہوا کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بیان کر چکے ہیں ۱۲ مسلتر جم

علمه بالعربية بتعليم المسيح بن مريم وليس ذلك على الله بعزيز اما قرع صماخ اذنه ان صاحب القوة القدسية تصير النظريات كلها بديهية عنده وهذا مجمع عليه عند اهل المعقول فكيف يستبعد ذلك ولم يستبعد هذا ولئن سلمنا استبعاده او استحالته فلا نسلم ان تبليغ احكام الشريعة وتفهيم معاني القرآن وتادية مفاهيم كلمات التوحيد بلغة غير العرب تبديل للاسلام ونسخ للاحكام واستيصال للدين المتين لانه لو كان كذلك للزم كون المسلمين كلهم من غير العرب مبدلا للاسلام وللزم كون القادياني لما انه يؤدي العقائد ومعاني القرآن وكلمات التوحيد حسب ما يرتضيه بالهندية مبدلا للاسلام ومحرفا عنه ولوجب ان من ايقن بان الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے باوجود اُمّی ہونے کے بے کنار دریائی علوم عنایت کیا تہا جس نے انکو عنایت کیا وہی مسیح کو عنایت کریگا۔ ابھی کادیانی کے کانوں کو اس خبر کی ہوا کی چوٹ نے نہیں کہڑکایا ہے کہ صاحب قوت قدسیہ کے سامنے نظریات بھی بدیہی ہو جاتے ہیں۔ یہ بات اہل معقول کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس کیسے مسیح کا عربی کو جان لینا بعید سمجھا گیا اور وہ بعید نہیں سمجھا گیا۔ اگر اس کے بعید ہونے کو ہم تسلیم بھی کر لیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ معانی قرآن کا سمجھنا۔ کلمات توحیدیہ کے معانی کو ادا کرنا عربی کے بغیر دوسری زبان میں اسلام کو بدل ڈالنا ہے۔ احکام کو منسوخ کر دینا ہے۔[1] دین اسلام کو جڑہ سے اکہاڑنا ہے۔ جیسا کادیانی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو لازم آتا کہ مسلمان اہل عرب کے سوا سب اسلام کو بدل ڈالنے والے ہوں۔ بلکہ خود کادیانی جو عقائد اور معانی قرآن۔ معانی کلمات توحیدیہ کو اردو میں جیسے کہ اسکو پسند آتے ہیں ادا کرتے ہیں۔ نیز محرف اسلام ہو لیا ابھی کادیانی کی تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی توحید

سلہ۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام جزیہ کو موقوف کردیگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناسخ دین محمدی ہونگے وجہ یہ ہے کہ یہ حکم بھی دراصل احکام محمدیہ سے ہے ہاں یہ تو ضرور ہے کہ یہ حکم اس زمانہ کے واسطے ہے کہ جب مسیح اترینگے چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بخوبی اسکا فیصلہ دے چکے ہیں ۱۲ مترجم

الذين يعرفون السنة مختلفة ويقدرون على اداء مضامينهم بلغات متنوعة
اليسر في نفسه ايتر انه مع كونه من خمسة ماء يعرف لغتها ويعرف اللغة الفارسية
فاي شئ اعجز المسيح من تعلمه العربية اما بتعليم الله تعالى او بتعليم معلم من البشر
لسبق التقدير الازلي على كونه مجددًا لهذا الدين ولم يعجز الكاديانى من معرفة
اكثر من لغة واحدة فباي شئ يتيسر ذالك لغير النبى ولم يتيسر للنبى الذى تكلم
حال كونه صبيًا وقال انى عبد الله اتانى الكتاب وجعلنى نبيًا مباركًا ولو سلم
عدم علمه العربية قبل رفعه الى السماء فمن اين جزم بانه يتعلم فى الملكوت ولئن سلم عدم
تعلمه هناك فمن انبائه انه لايمكن له او لا يتيسر له العلم بها حين نزوله فمن علم الاسماء
كلها لادم وعلم نبينا المكرم

جو لوگ مختلف زبانیں جانتے ہیں وہ انکے مضامین کو مختلف زبانوں میں ادا کرسکتے ہیں۔ اب جیا
اپنے ہی آپ کیطرف خیال کیجیئے کہ جو خود پنجابی ہے اور فارسی کو جانتا ہے۔ پس یہ کس مونہہ سے
کہدیا ہے کہ مسیح تعلیم عربیت (خواہ تعلیم اسد ہو یا تعلیم بشر ہے۔ اسلیئے کہ خداوند تعالی نے انکو
ازل ہی میں دین محمدی کا مجدد و بنا رکہا ہے) عاجز ہوگئے کیا وہ نبی عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز
ہوا اور کادیانی عاجز نہوا۔ سبحان اللہ مسیح علیہ السلام پر یہ دشوار۔ اور کادیانی کیلئے آسان۔ حالانکہ مسیح
وہ پیغمبر ہیں کہ جن کے حق میں قرآن شریف میں آیا ہے کہ مسیح نے سن صبا میں یہ گفتگو کی کہ میں خدا کا
بندہ ہوں۔ خداوند تعالے نے مجھکو کتاب دی۔ اُسنے مجھکو نبی مبارک بنایا۔ اب دیکھیئے کہ مسیح
علیہ السلام کی یہ گفتگو سن صبا میں تھی اور کادیانی کہتے ہیں کہ جب اُتریں گے (اور باتیں تو درکنار
رہنے دو) تعلم سے بہی عاجز ہونگے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اچھا مان لیا کہ مرفوع ہونے سے پہلے آپ
عربی نہیں جانتے تہے لیکن کادیانی کو یہ یقین کہانسے حاصل ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو عالم
ملکوت میں یہ علم نہیں دیا گیا۔ یہ بہی مانا کہ ملکوت میں بہی انکو یہ علم نہیں دیا گیا ہے
لیکن یہ خبر اسکو کہانسے ملی ہے کہ علم عربی مسیح علیہ السلام کیلئے ممکن یا آسان
نہیں۔ پہلے بانسہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس نے تمام چیزوں
کے نام سکہلائے تہے۔ ہمارے سردار حضرت محمد

بالصّلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًّا وبرًّا بوالدتی وتحریرہ بانہ لوکان حیًّا للزم کونہ مامورًا فی السماء باداء الزکوٰۃ وباحسان والدتہ وظاہر ان امتثالہ بہذین الامرین وہو فی السماء غیر متصور والجواب ان المراد بالزکوٰۃ ہٰہنا معناہا الحقیقی وہی الطہارۃ دون معناہا المنقول الفقہی المعروف فی کتب الفقہ کما ارید بقولہ تعالٰی ومن تزکّٰی فانما یتزکّٰی لنفسہ وبقولہ تعالٰی فاردنا ان یبدلہما ربہما خیرًا منہ زکوٰۃ واقرب رحمًا وبقولہ تعالٰی عبس وتولّٰی ان جاءہ الاعمٰی وما یدریک لعلہ یزکّٰی او یذکر فتنفعہ الذکرٰی اما من استغنٰی فانت لہ تصدّٰی وما علیک الا یزکّٰی ۔ وبقولہ عزوجل قد افلح من زکّٰہا وبقولہ تبارک وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکّٰی

نے مجھکو نماز ۔ زکوٰۃ کا جبتک کہ میں زندہ رہوں حکم دیا ہے ۔ خداوند تعالٰی نے مجھکو اپنی والدہ سے نیکی کنندہ بنایا ہے ۔ استدلال اسطرح پر کرتے ہیں کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہوتے تو بلاشبہ ادائے صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ ۔ والدہ سے احسان کرنے کے ساتھ مامور ہونے چاہئیں حالانکہ آسمان پر ہوتے نہ تو زکوٰۃ ادا ہوسکتی ہے اور نہ والدہ سے نیکی کرسکتے ہیں ۔ پس حکم الٰہی کا خلاف لازم آویگا ۔ الجواب یہاں پر زکوٰۃ مالی کی زکوٰۃ مراد نہیں ہے ۔ بلکہ طہارۃ جو اس کا حقیقی معنے ہی مراد ہے نہ اور کچھ جیساکہ اُس آیت میں جس کا مضمون یہ ہے کہ جو پاک ہوا وہ اپنے آپکے لئے پاک ہوتا ہے ۔ اور خدا نے اس بات کا ارادہ کیا کہ اسکے بدلہ ایسا ولد دے کہ پاکیزگی میں ۔ صلہ رحم میں بہتر ہو ۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترش روئی کی جس وقت آپکی خدمت میں نابینا حاضر ہوا کس چیز نے آپ کو یا رسول جتلایا شاید کہ وہ پاک ہوجاتا ۔ یا نصیحت قبول کرتا ۔ پس اسکو نصیحت نفع دیتی ۔ اور جو دولتمند ہوتا ہے آپ اُسکی طرف ہی التفات کرتے ہیں ۔ آپ اسکے ذمہ دار نہیں کہ اگر وہ پاک نہو ۔ بلاشبہ اس شخص نے خلاصی پائی کہ جس نے اپنے آپکو پاک کیا ہے ۔ قریب ہے کہ اس سے ہٹایا جاویگا وہ شخص جو مالدار ہے مالکو خدا کی راہ میں اسلئے خرچ کرتا ہے ۔ کہ وہ پاک ہوجاوے ۔

لہ حضرت مصنف علام ادام اللہ فیوضہم کی تقریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بیہودہ اعتراض کا اور بھی جواب دیا ہے کہ زکوٰۃ مالی جب ہی فرض ہوتی ہے کہ مالک نصاب بھی ہو پس چونکہ اہل اسلام اس کے کہ مسیح علیہ السلام تجارت یا خوراک کے لئے مال آسمان پر لیگئے ہیں قائل نہیں ہیں اور یہ ثابت ہے ۔ لہٰذا مسیح پر آسمان پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہے ۱۲ منہ

عزوجل متصف بصفاته الكمالية التى دلت عليها النصوص وواحد لا يماثله شئ ولا يشبهه احد لا فى ذاته ولا فى صفاته وان اكرم الموجودات واشرف المخلوقات سيدنا محمد النبى العربى الهاشمى صادق فى دعواه النبوة حق ما جاء به من عند الله تعالى وتلفظ بهذه المعتقدات الحقة الثابتة بلغة يعرفها من غير العربية ودام على هذا التيقن الاقل ومات على ذلك لا يكون مؤمنا فهل هذا الا نفى لعموم دعوة القران واثبات لخصوص رسالة رسول الانس والجان وقد قال تعالى وتبارك تبارك الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعلمين نذيرا وقال عزوجل وما ارسلناك الا رحمة للعلمين وقال وعز من قائل وما ارسلناك الا كافة للناس وامره الله تعالى بقوله يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا افلم يعلم انه كما ان انكار اصل نبوة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم كفر كذلك انكار عموم نبوته صلى الله عليه وسلم كفر لكون كل منهما متساوى الاقدام فى رد النصوص القطعية وايضا استدل على عدم كونه فى السماء بقوله تعالى ومن نعمره

ذاتی وصفاتی۔ جناب سید ومولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسپر جو آپ خدا سے احکام لائے ہیں ایمان رکھتا ہے۔ ہکو فارسی کشمیری۔ اردو۔ پنجابی میں بیان کرتا ہو+ باوجود اسکے کہ اسی عقیدہ اور بیان پر مرہی ہو گیا ہو مسلمان نہ ہوا العیاذ باللہ پس کیا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم اور قرآن کی دعوت عامہ سے انکار نہیں ہوا بلکہ انکار ہے حالانکہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ پاک پروردگار وہ قادر مطلق ہے کہ اسنے اپنے خاص بندہ پر قرآن کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام عالموں کے لئے ڈرانیوالا ہو۔ نیز فرماتا ہے کہ ہمنے تجھکو یا رسول اکرم نہیں بھیجا فقط فرمایا۔ مگر تمام عالموں کے واسطے رحمت۔ نہیں بھیجا ہمنے تجھکو مگر تمام لوگوں کی طرف (خواہ عربی ہوں یا ترکی یا فارسی وغیرہ) نیز فرمایا کہ یا محمد تم کہدو کہ میں تمہارے سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں + کیا یہ معلوم نہیں جیسے کہ آپکی خود پیغمبری سے انکار کرنا کفر ہے ویسے ہی آپکی عموم نبوت سے منکر ہو جانا کفر ہے۔ کیونکہ جس طرح کہ اصل نبوت سے انکاری ہو نا نصوص قطعیہ کو رد کرنا ہے اسیطرح عموم نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ سے لڑائی اور مقابلہ ہے۔ کادیانی مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ نہو نیکے لئے یوں بھی استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ مسیح یہ بیان کیا کہ خداوند عزاسمہ

وَ الا لا احتیج لتصحیح الکلام و الاحتراز عن الحنث و المذکور الی التکلف حمل الصفۃ المشبہۃ علی المصدر مع ان الضرورۃ غیر داعیۃ الی ھذا التکلف لامکان تصحیح ذٰلک الکلام من غیر تکلف بعطف برًّا علی قولہ نبیًا فیکونان مفعولین لقولہ تعالٰی وجعلنی من قبیل عطف المفرد علی المفرد و بعطف جعلنی المقدر قبل قولہ برًّا علی قولہ وجعلنی الملفوظ صریحًا فیکون من قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ و تمام الاٰیۃ قال انی عبد اللّٰہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیًا مبارکًا این ماکنت و اوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًا و برًّا بوالدتی و علی ھٰذا التوجیہ الصحیح الخالی عن المحذور و التکلف لم یلزم توجہ ھٰذا الامر الیہ علیہ السلام وجوب امتثالہ بہ حال کونہ فی السماء ایضًا علی انا

ہاں اگر برًّا کو باوجودیکہ منصوب الدا والباء سے مجرور پر معطوف سمجھیں گے۔ تو اسمیں یہ قباحت ہے کہ اعتراض مذکور کے دور کرنے کے لئے صفت مشبہ بمعنی مصدر لینا پڑے گا۔ باینطور کہ برًّا جو بمعنے نیکی کنندہ اور صفت مشبہ ہے (جیسا حسنٌ) اسکا معنی یہ ہے یعنے نیکی۔ حالانکہ یہ ایسی بناوٹ ہے۔ کہ اسکا داعی ہی موجود نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ برًّا کو نبیًا پر معطوف کرکے اصلی معنی (نیکی کرنے والا) میں استعمال کرنا جائز ہے۔ اب کونسی ضرورت درپیش ہے جس لئے وہ چھوڑا جاوے۔ جاننا چاہیئے کہ جب ہم برًّا کو نبیًا پر عطف کریں چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہے تو جعلنی کے دو مفعول ٹھیرے۔ ایک نبیًا دوسرا برًّا۔ اور یہ عطف مفرد کے مفرد پر عطف کرنے کے طرز پر ہوگا۔ اور اگر برًّا سے پہلے ہی جعلنی مقدر مانا جائے اور یہ جعلنی پہلے صریح جعلنی پر معطوف کردیں تو یہ عطف جملہ کے جملہ پر عطف کردینے کے طریق پر ہوا۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خاص بندہ ہوں۔ اوس نے مجھکو انجیل عنایت فرمائی۔ مجھکو نبی مبارک کہیں بھی رہوں بنایا۔ اسنے مجھکو نماز۔ زکوٰۃ کا جبتک کہ زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ اوسنے مجھکو اپنی والدہ پر نیکی کنندہ بنایا ہے۔ پس وہ توجیہ جو ہم بیان کرآئے ہیں تکلف اعتراض سے بری ہے اور توجیہ (۱۱) پر بنا کرکے مسیح کا آسمان پر ہوتے بھی والدہ پر نیکی کرنے کے ساتھ مامور ہونا لازم نہیں آتا۔

وبغیر ذالک من الآیات وعلی هذا فعدم تصور امتثال هذا الامر فی غایة
الخفاء وتصوره ظاهر کمال الظهور وان خفی علی من عمی عن المبتدع الفجور واما لزوم
ایتیار المسیح علیه السلام بر والدته حال کونه فی السماء بهذه الآیة فغیر ظاهر لان
قوله تعالی برًّا بوالدتی لیس معطوفاً علی مدخول الجار المتعلق بقوله اوصانی حتی یلزم
ذلک اذ لو کان کذلک لکان مجروراً مثل معطوفه ولم یکن منصوباً ولقرئ قوله برًّا
بکسر الباء لا بفتحها لئلا یلزم کون من یقوم به البر مأموراً به کما ان الصلوة والزکوة
مأمور بهما مع کونه یدعی البطلان لضرورة ان ما یؤمر به او ینهی عنه انما هو الافعال
دون الذوات فاجماع القراء علی فتحها ای کسر الیاء عن کونه معطوفاً علی ذالک المذکور

وغیرہ۔ اب دیکھو ان آیات میں زکوٰۃ کا معنی بجز تزکیہ نفس کے اور کچھ نہیں ہے ویسے ہی
مسیح علیہ السلام کو بھی تزکیہ نفس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے زمین پر ہو یا آسمان پر
پھر کہنے کہ انکے آسمان پر ہونے سے خلاف حکم الٰہی کیسا لازم آیا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ گو ان
لوگوں پر جو مبتدعین اور فاسقین کی طرح بصارت نہیں رکھتے ہیں" پوشیدہ ہو
رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام کو گو آسمان پر ہی مستقر مان لئے جاویں والدہ سے احسان نہیں
کر سکتے اور یہی خلاف حکم الٰہی لازم آتا ہے" سو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ بصورت
میں لازم آتا کہ اگر برًّا اسلئے پر جو اوصانی سے متعلق ہے" معطوف ہوتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر
یہ معنے ہوتا کہ مجھکو خداوند تعالٰے نے نماز کا اور والدہ سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے جبتک کہ
میں زندہ رہوں لیکن برًّا تو اس صورت پر معطوف ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر اسپر معطوف ہوتا تو
برًّا منصوب نہ ہوتا۔ بلکہ مجرور ہوتا اور برٍّ پڑھا جاتا۔ نیز برًّا کا بکو زیر دیجاتی نہ زبر کہ برّ ہوتا۔ تو
اسکا معنے خالی نیکی ہوگا۔ نہ نیکی کنندہ کیونکہ نیکی کنندہ تو برًّا کا معنے ہے۔ پس چاہئے تھا کہ برّ پڑھا
جاتا نہ برًّا۔ ورنہ لازم آویگا مامور بہ مسیح ہوں کہ جنکے ساتھ بر قائم ہے جیسا کہ نماز زکوٰۃ مامور بہا
ہیں حالانکہ مامور بہ فعل ہوتا ہے نہ ذات اسلئے کہ ذات کا مامور بہا ہونا صریح باطل ہے۔
پھر کہئے کہ قرآن شریف میں برًّا (بنصب با) قدیم الایام سے کیوں لکھا چلا آیا ہے۔ کیوں ہمیشہ
برًّا پڑھا جاتا ہے۔ پس قراء کا اجماع برًّا ہی پر اسکے صلوٰۃ پر معطوف ہونے سے انکاری ہے

ثابتة بالدلائل من الآيات القرآنية والاحاديث النبوية واجماع الامة المحمدية على صاحبها الوف صلوات وتسليمات والآيات الدالة عليها قول الله تبارك وتعالى ما المسيح بن مريم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وقوله جل وعلا واذ قال الله يا عيسى انى متوفيك ورافعك الىّ وقوله تعالى وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه وقوله الكريم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته وتقرير دلالة هذه الآيات على حياته مر باكمل وجه واحسن تفصيل ومنها قول الله عز برهانه لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم قل فمن يملك من الله شيئا ان اراد ان يهلك المسيح بن مريم وامّه ومن فى الارض جميعا وتقرير الدلالة ان كلمة ان الداخلة على كلمة اراد من ادوات الشرط التى وضعت لوقوع الجزاء بوقوع الشرط فى المستقبل و

قرآن شریف (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) اور احادیث میں اور اتفاق امت سے ثابت ہے۔ آیات تو یہ ہیں ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ۔ ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" اب رہا الخ ترجمہ سو وہ مذکور ہو چکا ہے۔ نیز استدلال کا طریقہ ہم بیان کر آئے ہیں مگر اب اور بھی ایک استدلال پیش کریں گے کہ جس سے مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہو گا۔ وہ یوں ہے کہ خداوند عزاسمہ فرماتا ہے۔ کہ بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا ہے۔ کہ جنہوں نے کہہ دیا ہے۔ کہ خدا وہی مسیح ہے کیا اگر خداوند تعالے مسیح علیہ السلام کے مار ڈالنے۔ ہلاک کر دینے کا ارادہ کرے گا۔ بی بی مریم رضی اللہ عنہا تمام باشندگان زمین کا تو کون اپنے آپ پر مختار ہے۔ کون اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ پس جبکہ مسیح علیہ السلام وغیرہ میں ہلاکت کی دفعیہ کی قدرت نہیں اور نہ خود مختار ہیں تو وہ خدا کیسے بن سکتے ہیں" یہ آیت مسیح علیہ السلام کی حیات پر یوں دلالت کرتی ہے۔ کہ اِن کا لفظ جو ارادہ پر داخل ہوا ہے حروف شرط سے ہے اور وہ جزا کے مستقبل میں وقوع کو موضوع ہے اس سبب کہ شرط مستقبل میں واقع ہے۔

وان سلمنا التوجيه الذي ذكره ذلك وقطع النظر عن لزوم المحذور والتكلف فلا نسلم ان ايثاره بهذا الامر في تلك الحال غير متصور اذا البر كما هو متصور في زمان حياة البار والمبرور اليه كليهما كذلك يتصور في زمان ممات المبرور اليه بالاستغفار له واهداء ثواب الطاعات اليه فجزم المستدل بعدم امكان بر المسيح عليه السلام بوالدته في تلك الحالة جزم في غير محله وجملة المرام وخلاصة الكلام ان المسيح رسول الله حي الى الآن ومرفوع الى السماء بجسده وهذه المسئلة

کیونکہ بریں تقدیر مَا دُمْتُ حَیًّا (جبتک کہ زندہ ہوں) کی قید گئیٖ، تو صلوٰۃ و زکوٰۃ کی فرضیت کے واسطے ہے۔ نہ بَرًّا کے لیے۔ اگر ہم کادیانی کی توجیہ کو ہی مان لیں گے۔ عتراض بتکلف مذکور بین سے قطع نظر کرلیں تو پھر یہ بات کو کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر ہوتے والدہ سے بار ہونا متصور نہیں تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ احسان جیسا کہ نیکی کنندہ اور نیکی کردہ شدہ کی حیات میں متصور ہے۔ ویسے ہی جس زمانہ میں نیکی کا مستحق مر گیا ہو۔ اسپر احسان کرنا متصور ہے۔ کیا اسکے لئے استغفار اور دعای ترقی درجات اور ثواب پہونچانا احسان نہیں بیشک احسان ہے لیکن یہ تو آسمان پر ہوتے بھی خواہ مستحق زندہ ہو۔ یا مردہ - متصور ہے۔ لہذا کادیانیوں کا یہ حکم بالجزم کہ آسمان پر ہوتے احسان متصور نہیں - کیسا بیمحل ہے خلاصہ کلام کہ مسیح علیہ السلام خدا کے رسول اب تک زندہ ہیں اور آسمان پر بجسدہ موجود ہیں سب یہی کہ یہی بات

سلہ حضرت مصنف مرشد الکل کی تقریر سے مترشح ہوتا ہے کہ مادمت حیا بنیا مبارکا کے لئے بھی قید نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آویگا کہ مسیح ع بعد الموت نہ نبی ہوں اور نہ مبارک العیاذ باللہ۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر مادمت حیا برا کی قید بھی مان لیں تو حاضر ہونا خاص خدمت کے لئے شرط ہے دیکھو مسیح ع یا اور کوئی خدمت خاصہ کے ساتھ تب ہی مامور ہے کہ جبکہ حاضر خدمت ہو۔ اس لئے اگر بیٹا سفر میں اور والدین۔ یا ایک انمیں سے مقیم ہو تو خاص خدمت اسی ضروری سفر میں فرض نہیں ہو سکتی ورنہ چاہئے تھا کہ مسیح ع جس حالت میں تبلیغ کے لئے مسافر اور والدہ سے جدا ہوتے تب اس خاص خدمت کی ترک سے گنہگار رہتے نعوذ باللہ منہ یا تو ثابت کردیں کہ مسیح ع والدہ سے کبھی بھی زمین پر ہوتے جدا نہیں ہوئے تو نا ہم کچھ بن پڑے گا۔ لیکن اسکا ثبوت کہاں ہے ۱۲ مترجم

الاستقبال او استعمال كلمة ان في معنى لو الدالة على انتفاء الجزاء بانتفاء
الشرط في الماضي رجوع الى المجاز من غير قرينة وقوله عز وجل وامه ومن في
الارض ليس نصًا في المعطوفية على قوله المسيح بن مريم ليصلح قرينة على ذلك
الحمل والاستعمال لانه يحتمل ان يكون مفعولاً لفعل مقدر وهو لفظ يساوي
ويكون جملة حالية فيؤل حاصل معنى الاية الى ان الله قادر على ان يهلك
المسيح بن مريم والحال انه يساوي امه ومن في الارض في عدم الالوهية فكما
ان الله قادر على مريم ومن عداهم فكذالك هو قادر على المسيح لاستواء كلهم
في نفي الالوهية بل ان حكم بتعين هذا الاحتمال بالارادة لكان اجدر واحرى

استقبال ہے تو یہ تمہارا قول مخالف اصل اور وضع ہوا جو باطل ہے۔ دوم اصلی معنے چھوڑ دینا تب ہی جائز ہوتا ہے کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔ اور وہ بھی موجود نہیں ہے۔ پس یہ مجاز کو بلا ضرورت مراد رکھ لینا ہے حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔ سوال جائز ہے ان یعنے لو ہو جسکا معنے یہ ہوتا ہے کہ شرط چونکہ ماضی میں نابود ہے تو جزا بھی نابود ہے۔ الجواب اسمیں بھی خلاف وضع۔ مجاز کا اختیار کرنا۔ بلا قرینہ لازم آتا ہے۔ لہذا یہ بھی باطل ہے۔ شاید آپ یہ کہو گے کہ چونکہ اس آیت میں بی بی مریم کے مارنے کا بھی ذکر ہے اور وہ بزمانہ ماضی مر چکی ہیں۔ تو یہی اس بات کا قرینہ ہے کہ آیت حالت حیات سے حکایت ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ صریحاً اسکا مسیح بن مریم پر معطوف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ایسا ہوتا تو حالت مذکورت سے حکایت ہو سکتی تھی یا یعنے لو لینے کا قرینہ بن سکتا تھا۔ لیکن ایسا تو نہیں ہے اسلئے یہ حمل یا استعمال صحیح نہیں ٹھہرا۔ وجہ یہ ہے کہ جائز ہے کہ امّہ (مسیح کی والدہ) فعل مقدر کا مفعول ہو۔ وہ فعل یساوی (برابر ہے) ہے اور اسے جملہ حالیہ کہتے ہیں ۔۔

پس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ خداوند تعالے نے مسیح علیہ السلام کے مار دینے۔ اہلاک کر دینے پر
درحالیکہ مسیح علیہ السلام اپنی والدہ اور تمام باشندگان زمین کے ساتھ خدا
نہ ہونے میں مساوی اور برابر ہے " قادر ہے۔ پس جیسے کہ
خداوند تعالے مریم وغیرہ کے اہلاک پر قادر ہے ویسے ہی
مسیح کے اہلاک پر قدرت رکھتا ہے۔ مساوات اسلئے ہے کہ مسیح اور مریم وغیرہ خدا نہیں۔

الشرط ههنا ارادة اهلاك المسيح والجزاء انتفاء قدرة الدفع لغير الله المدلول عليه التزاما بقوله تعالى فمن يملك من الله شيئا فان الاستفهام قائم مقام النفي ونفي الملك من الله شيئا على تقدير ارادة الله تعالى اهلاكه يوجب ويستلزم انتفاء القدرة لاحد غير الله عن دفع اهلاكه على ذلك التقدير فيجب كون كليهما اى الاهلاك وانتفاء القدرة متوقعي الوجود في المستقبل والالزم خلاف وضع كلمة ان وتوقع وجودهما في الآتي لا يمكن الا اذا كان المسيح عليه السلام حيا حين نزول هذه الاية لانه لو لم يكن حيا في ذلك الحين وكان وقوع موته في الزمان الماضي بالنسبة الى ذلك الحين لادت الاية معنى توقع ارادة اهلاك الهالك وازالة الزائل وامتناعه غير خفي كامتناع ايجاد الموجود وتحصيل الحاصل وحمل الكلام لضرورة تصحيح المعنى على حكاية حال حيوته في الدنيا مع كونه حقيقة في

ظاہر ہے۔ کہ شرط اہلاک المسیح کا ارادہ ہے۔ جزا اہلاک کے دفعیہ پر غیر اللہ کا قادر نہ ہونا۔ گویا جزا فمن یملک کا مدلول التزامی ہے" مدلول التزامًا اسلئے ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے۔ اور وہ قائم نفی کے ہوتا ہے۔ بر تقدیر اسکے کہ خداوند تعالے کسی کے اہلاک کا ارادہ کرے۔ غیر اللہ کے ملک کا منتفی اور نابود ہونا بالضرور اسکو چاہتا ہے کہ کوئی ایک بھی ماسوی سوا اللہ اہلاک کے دفعیہ پر قادر نہو۔ اور یہی جزا ہے۔ لہذا واجب ہوا کہ شرط۔ جزا (یعنے اہلاک کا ارادہ۔ غیر اللہ سے قدرت کا منتفی ہونے) کا مستقبل میں موجود ہو جانا متوقع اور مامول ہو۔ ورنہ لفظ اِن کے وضع کی مخالفت ہوگی۔ حالانکہ یہ باطل ہے لیکن ان دونوں کے زمانہ مستقبل میں متوقع الوجود ہونے سے لازم آتا ہے کہ یہ آیت جبکہ رسول کریم ؐ پر نازل ہوئی تھی تو مسیح بھی اسوقت زندہ ہوں کیونکہ اگر فرض کر لیں کہ مسیح اُس زمانہ میں زندہ نہیں تھے بلکہ رسول کریم ؐ کی پیدائش سے پہلے ہی مر گئے ہوئے تھے تو اس تقدیر پر ہلاک شدہ کے اہلاک کا ارادہ متوقع ٹھہریگا اور یہ باطل ہے۔ ابھی یہ تو ایسا ہوا کہ کہا جاوے کہ خداوند تعالے موجود کو موجود کرے گا یا نابود کو نابود کرے گا حالانکہ یہ تحصیل حاصل ہے اور وہ محال ہے۔ سوال اس آیت میں اس حالت کی کہ مسیح علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان زمین پر زندہ تھے۔ حکایت ہے لہذا اس آیت سے مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ الجواب اولاً کہ اِن در اصل حقیقت

النقل فی کتاب من کتب الشریعة علیٰ خلافها من لدن زمان الصحابة الی یومنا هٰذا
فاذ لو لم یکن الاجماع منعقدًا علیٰ حیوته وکان القول بمماته مذهبًا لاحد من المسلمین
لنقله الناقلون ولم یطبقوا علیٰ عدم نقله وتفسیر حبر الامة ابن عباس رضی الله تعالیٰ
عنهما قوله عز وجل انی متوفیک بقوله ان ممیتک لیس نصا فی مضی اماتته لان
اسم الفاعل لکونه اسما لا اختصاص له بزمان دون زمان کما یدل علیه ما صرحوا
الا تعریفه ومارواه النسائی وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما لما اراد
الله ان یرفع عیسیٰ خرج علیٰ اصحابه وفی البیت اثنا عشر رجلا فقال ان منکم من یکفر بی

نہیں ہے تو پھر کیوں زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اب تک مسیح علیہ السلام کی وفات شرعی کتابوں میں منقول نہیں ہوئی اگر کسی صحابی یا کسی تابعین یا تبع تابعین یا دوسرے اکابر امت کا یہ اعتقاد کہ مسیح علیہ السلام مر چکا اور زندہ نہیں ہے ہوتا تو ناقلین اس عقیدہ کو کتابوں میں کیوں نہ نقل کرتے اور اگر یہ کسی کا مذہب ہوتا تو ناقلین بیک زبان اجماعًا کیوں لکھتے کہ مسیح علیہ السلام کا اب تک زندہ ہونا متفق علیہ اور اجماعی ہے۔ ہاں[1] یوں بھی کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انی متوفیک کا انی ممیتک (میں تیرا مارنیوالا ہوں) معنے کرتے ہیں۔ کادیانیوں کے لئے مفید مطلب نہیں کیونکہ یہ تفسیر بالتصریح مسیح کے زمانہ گذشتہ میں مرجانے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ ممیتک اسم فاعل ہے نہ فعل اور اسم کو ماضی یا غیر ماضی زمانہ سے خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ اسم کی تعریف سے ظاہر ہے۔ نیز یہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس کو امام نسائی اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جبکہ مسیح کے مرفوع کرنیکا ارادہ فرمایا تو مسیح ایک مکان میں تشریف لائے [illegible] اور بھی بارہ شخص تھے اس وقت مسیح نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ ایمان کے بعد کافر ہوجائیں گے۔

---

[1] کادیانی جو اسکو اجماع کہتے ہیں اسکی سند پیش کرتے ہیں کہ وہ بیانہ کہتے ہیں کہ مسیح مر گئے سو واضح ہو کہ یہ محض دھوکا ہے کیونکہ وہ سب یہ کہکر کہ مسیح اتنی مدت اموات میں داخل ہوئے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ دم پھر زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گئے۔ اب کہیں کہ وہ سب کس طرح اجماع سے مخالف ہونے بلکہ وہی اس بات کے قابل ہوئے کہ مسیح اب تک زندہ ہے پس اجماع کورانہ نہیں بلکہ فہم ہی کور ہے ۱۲ مترجم ۵۲ حضرت مصنف علام دام فیضہ کی تقریر ہے ۱۲

لان المقصود بهذه الآية رد قولهم ان الله هو المسيح بن مريم وهذا لا يكون الا
بايقاع المساوات بين المسيح وبين امه ومن الارض في انتفاء وصف الالوهية و
ثبوت وصف العبودية ومع هذا كيف يصح كونه عطفا وقرينة لصرف الكلام
عن حقيقته على ان في اختيار استعمال كلمة ان بمعنى لو مع قطع النظر عن لزوم
المحذور ثبوت المدعى من حيات عيسى عليه السلام اظهر واجلى لانه على هذا
يؤل الى ان الله تعالى لم يرد اهلاكه عليه السلام في الزمان الماضي وهذا هو المطلوب
الذي نحن بصدده فيقال ان حملت كلمة ان على معناها الحقيقي الوضعي فالدليل
ثابت ومدلولنا متحقق وان على معنى لو الذي هو معناها المجازي فالمدعى على هذا
التقدير ايضا ثابت وعلى كل تقدير فالاية دليل لنا وشاهد على حيوة عيسى عليه
السلام كما لا يخفى على من له ادنى دراية واما الاجماع على حيوته الى الآن فلعدم وجود

بلکہ قابل تر یہی ہے کہ امہ کو لیبا وی کا مفعول ٹھہریں اور آیت کا معنی وہی ہے جو ہم بیان کرتے ہیں
سبب یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا بتلاتے ہیں انکی تردید ہو
اور تو کچھ مقصود نہیں لیکن یہ مطلب جب ہی اس آیت سے حاصل ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کو مریم وغیرہ سے
خدا ہونے میں مساوات ہو۔ اب چونکہ یہ مطلب ایسی تقریر پر موقوف ہے جو کہ ہم بیان کرتے ہیں تو اسی
تفسیر کو قبول کرنا واجب ہوا پھر معہذا ایسا امہ کا معطوف و قرینہ بنانا صحیح ہوگا۔ بنابراں اس آیت سے
مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہوا۔ نیز اگر ان کو معنے لو کے لینگے تو ہمارا مفید مطلب ہے وجہ یہ ہے کہ گو ہم
اعتراض سابق سے قطع نظر ہی کر کے ان کو معنے لو کے لیں گے تو آیت کا یہ معنی ہوگا کہ خدا نے زمانہ ماضی میں
مسیح کے ہلاک کا ارادہ نہیں کیا۔ پس اس سے صاف لازم آتا ہے کہ مسیح مرے ہی نہیں ہیں۔ آخر جب خداوند تعالی نے
مسیح کے ہلاک کر دینے کا زمانہ گزشتہ میں ارادہ ہی نہیں کیا تو مسیح کیسے مرے۔ لہذا اس توجیہ سے بھی
ہمارا ہی مطلب ثابت ہوا اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اگر ان سے حقیقی اور وضعی معنی مراد لینگے تو دلیل متحقق ہے۔
مگر پھر ہمارا مقصود حاصل ہے۔ کادیانیوں کا نہیں۔ اگر ان سے لو کا معنے لینگے تو اس تقدیر پر بھی ہمارا ہی
دعوی ثابت ہے نہ کادیانیوں کا۔ غرضکہ ہر تقدیر آیت ہمارے لئے حجت ہے۔ انکے لئے نہیں چنانچہ یہ بات ادنے
عقلمند پر بھی روشن ہے اب رہا امت محمدیہ کا اجماع تو۔ اجماع بھی ثابت ہے کہ مسیح ابتک زندہ ہیں اگر یہ بات اجماعی

وصاحب الوجيز والبيضاوي القول بوقوع موته الى النصارى وانه قال في الوجيز
بحيوة المسيح مما اجمع عليه المسلمون واخبر الحافظ ابن القيم والفاضل الكهنوي نقلا
عنه بتحقق اجماع المسلمين كلهم على حياته عليه السلام فليس في المنقول عن وهب
محتمل سوى ذلك الاحتمال ولئن تاملت في رسائل الكادياني ما وجدت
دليلا لا شرعيا ولا عقليا بيده على ما ادعاه ووجدت اقوى دلائله ما لا يعده اولو
العقول دلائل بل استبعادات عادية واستيحاشات بعدم موانسته كما هو دأب
ارباب الجهالات من عد الاستبعاد استدلالا كاستدلال بعض كفرة ايام
الجاهلية باستبعاد احياء العظام وهي رميم وقد اخبر عنه الله الحميد في كتابه
المجيد حيث قال عز وجل اولم ير الانسان انا خلقناه من نطفة فاذا هو خصيم
مبين. وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحي العظام وهي رميم وكاستدلال
بعضهم كما حكى الله تعالى اجعل الالهة الها واحدا ان هذا لشيء عجاب وكثير من

اور صاحب وجیز نے اوس قول کو نصاریٰ کی طرف منسوب کیا ہے بھلا ایسا کیوں نہو۔ وجیز
میں لکھا ہے کہ مسیح ؑ کے اب تک زندہ ہونے کے بارہ میں اجماع ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ اور
فاضل لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نقلاً بیان کرتے ہیں کہ کل مسلمانوں کا مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے
پر اتفاق ہے۔ لہذا وہب کی نقل کے واسطے اور کوئی محمل باستثنا اسکے جو ہم بیان کر آئے ہیں نہیں
ہے۔ اے ناظرین اگر آپ کادیانی کے رسائل کو غور سے دیکھیں گے تو واضح ہو جاویگا کہ کادیانی
کے پاس نہ تو شرعی اور نہ عقلی دلیل ہے۔ صرف یہی دیکھینگے کہ اسکی دلیل بجز اسکے کہ یہ خلاف عادت ہے
یا بعید ہے اور کچھ نہیں ہے یہی اسکا بھاری نشانہ ہے لیکن یہ داب ان لوگوں کا ہے کہ جنکا علم نہیں
ہے یہ ایسا ہے کہ جسطرح زمانہ جاہلیت میں کفار بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو (قیامت کو)
بعید اور محال جانتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ اسکی قرآن میں خبر دیتے ہیں کہ انسان نہیں سوچتا ہے
کہ ہمنے اسکو نطفہ سے پیدا کیا ہے اب وہ ظاہر جھگڑالو بن گیا ہے اور وہ مثال بیان کرتا ہے اور
اپنی پیدایش کو بھول گیا ہے۔ یہ انسان کہتا ہے کہ خداوند عز اسمہ قیامت کو بوسیدہ ہڈیوں کو
کیسے پیدا کریگا یعنی کافروں کا اسکو بعید سمجھنا بالکل باطل ہے کیونکہ جسطرح دیکھتے ہیں کہ انسان کو منی سے

من بعد ان امن ثم قال ایکم یلقی شبهی فیقتل مکانی فیکون له الجنة فقام شاب احدثهم
سنا فقال انا فقال اجلس ثم اعاد فعاد فقال اجلس ثم اعاد فعاد الثالثة قال فصلب
بعد ان رفع عیسیٰ الی السماء وجاء الطلب من الیهود فاخذوا الشاب اه کمالین وما
نقل عن وهب فغیر مستند ولئن سلمنا استناده فلا یضر اجماع المسلمین لاحتمال
انه نقل ذلک من اهل الکتاب ویؤید هذا الاحتمال نسبته محمد بن اسحاق

اسکے بعد آپنے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی اسبات کو قبول کرے کہ اسکی شکل گویا میری شکل کی بنا
ہو جاوے اور میرے بدلے صلیب پر چڑھایا جاوے تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ انہیں سے ایک شخص
نے جو جوان تھا اس بات کو قبول کیا غرضکہ مسیح علیہ السلام اسی تین بار بٹھلایا اور تین بار یہی
دریافت فرمایا اور اسنے ہر دفعہ قبول کیا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسیح اسکے بعد آسمان
پر چڑھایا گیا اور اس شخص کو یہودیوں نے اس گمان سے کہ مسیح علیہ السلام یہی ہے صلیب پر
چڑھاکر مار دیا۔ اب دیکھئے کہ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ
مسیح علیہ السلام کے بجسدہ مرفوع ہونے کے قائل ہیں۔ اب رہی یہ کہ اس سے جسکی خواہش ہو کرتا جاوے
منع کون کرتا ہے۔ سوال وہب رضہ کہتے ہیں کہ مسیح کچھ عرصہ مر گئے تھے۔ پس اجماع کہاں ثابت
ہوا۔ جواب اولاً یہ قول سنداً بیان نہیں کیا گیا۔ دوم اگر مان بھی لیں کہ یہ قول مستند ہے۔ تو جائز ہے
کہ یہ اہل کتاب سے لیا گیا ہو چنانچہ یہی مؤید ہوتا ہے اس سے کہ محمد بن اسحاق اور بیضاوی

؎ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جائز ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مراد یہ ہو کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ
میں تجھکو اے مسیح بعد از رفع قریب قیامت بعد النزول مارونگا۔ مترجم کہتا ہے۔ کہ یہی حق ہے۔ کیا
دیکھتے نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مسیح علیہ السلام کے اب تک زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ دیکھو ارشاد الساری
شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ ابن جریر رضہ نے سعید بن جبیر رضہ کی طریق سے ابن عباس رضہ سے
صحیح السند روایت کی ہے کہ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس رضہ مسیح کے قریب قیامت تک زندہ
ہونیکے قائل ہیں جسکو تفصیل کا شوق ہو وہ تحقیق کرے۔ اب اگر ممیتک سے وہی نہ سمجھا جاوے
کہ جسکی طرف حضرت مصنف نے ارشاد فرمائی ہو تو سچ کہو کہ ابن عباس رضہ کے اقوال میں تناقض
نہیں ہوگا۔ ہاں ضرور ہوگا۔ مترجم سید عفی اللہ تعالےٰ عنہ

قد حصل الفراغ سنة ١٣٠١ﻫ الف وثلاثمائة واحد عشر في عاشر الجمادى الاولى يوم الاثنين من الترجمة الهندية للكتاب المسمى بالالهام الصحيح في اثبات حياة المسيح الذى هو من تصانيف العلامة الجامع للعلوم النقليه والعقلية كاشف [illegible] استاذ [illegible] الفاضل اللوذعي الالمعي محيط دائرة الاسرار [illegible] العلوم الفهام [illegible] المفيد والمفيد في الليل والنهار [illegible] المدارس [illegible] كتاب [illegible] كرام [illegible] في بحر الكلام [illegible] والعقام ❊

[illegible] السعادة والفضائل [illegible] ساطع [illegible] اهل الهوا [illegible] العلماء بين ايديهم [illegible] الباطلة [illegible] في رد العلما ويكون [illegible] الصلحاء والاولياء [illegible] ولاعبرة باتباع الاراذل الجهلة الاسوار [illegible] يحبه من لا يرضى عنه الله وبالجملة هو بين [illegible] وجمع الفتاوى [illegible] في اتباع السنة السنية [illegible] الحنفية [illegible] الفحول [illegible] الكامل حضرت مولانا المفتي [illegible] غلام رسول [illegible] والنقشبندية [illegible] والقاضي [illegible] الله الاحد خواجه [illegible] صاحب السجادة [illegible] الله الصمد خواجه [illegible] المعروف [illegible] الذي [illegible] الله [illegible] بطول بقائه [illegible] رحم الله [illegible] وانا [illegible] الاحقر [illegible] مصطفى ابن [illegible]

[illegible]

هذه الامثال مذكورة في كتاب المستطاب وقد حصل الفراغ من تحرير هذه
الرسالة النافعة سنة الف وثلثمائة واحدى عشر من الهجرة النبوية على صاحبها
الوف الوف صلوة وتحية والمرجو من المطالعين لها ان لا ينسونى من ادعيتهم
فى خلوص اوقاتهم بالعافية والانسلاك بمسالك اهل السنة والاختتام
بحسن الخاتمة وليكن اختتام الرسالة بهذا الكلام وعلى الله التوكل وبه الاعتصام
واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خليقته وخير خليقته محمد واله
وصحبه وعشيرته ومن تبعهم الى يوم الدين اجمعين

پیدا کرتا ہے تو وہ ہڈیوں کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا ہے ہڈی تو از کردہ ہی انسانیت کی طرف
اقرب ہے۔ اسیطرح پر کافروں کے اعتقاد سے قرآن شریف میں یوں خبر دی گئی ہے کہ کافر وضع
کہا ہے کہ معبود کا ایک ہی ہونا عجیب ہے غرضکہ اسیطرح پر قرآن شریف میں کافروں کے عقیدہ آ
بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر بخوف طول مختصر ہی پر بس کی گئی۔ فائدہ کادیانیوں اور نیچریوں
نے در حقیقت محال اسکو بھی سمجھ لیا ہے جو نادر الوقوع ہو نیز اسکو جو انکی عقل سے بعید ہو۔ مگر تعجب
آتا ہے کہ ڈیل ڈال تو پنجاب سے فرانس تک ہر چیز داخل رکھتے ہیں۔ اپنی عالی فہمی پر تو اتنے
نازاں ہیں کہ علما و فضلاء اسلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ محال کس
چڑیا کا نام ہے بلکہ انسے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ محال اور شے ہے اور نادر الوقوع اور شے ہے۔ رہی عقل سو اگر
انکی عقل سے بعید ہے تو اہل اسلام کی عقل کے نزدیک ایسے امورات کا خداوند تعالی سے ظہور بالکل آسان ہے
اور وہ قادر مطلق ہرگز ایسے امورات کے پیدا کرنے میں عاجز نہیں گو انکی عقل اسے عاجز سمجھے۔ نیز اگر ان کی
عقل کو انا الحق کا سا غرور ہے تو پھر وہ کیوں اپنی عقل پر بھروسہ کر کے نقول قطعیہ کو تاویلات رکیکہ سے مطابق
عقل بنانا چاہتے ہیں۔ کیا امر یقینی کو غیر یقینی پر محمول کرنا داب دانشمندی ہے۔ انتہی
حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اس کتاب کے لکھنے سے جو لوگوں کے لئے نافع ہے ۱۳۱۱ ہجری
میں ہم فارغ ہو گئے۔ آپ ناظرین سے التماس ہے کہ اپنے خاص وقتوں میں ہمکو دعائے حسن خاتمہ
و امثالہ سے یاد کریں۔ یہیں اسی کلام سے اس کتاب کا اختتام ہی ہوا۔ خداوند تعالی ہی پر بھروسا ہے
آخری ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام حمد خدا ہی کو ہے اور درود خدا کا ان پر جو بہترین خلق اور انکی قوم کیا اولاد کیا یار وغیرہ پر رحمت نازل فرماوے

عالم ہونگے۔ اب دیکھئے کہ کادیانی کیسے مہدی کہلا سکتے ہیں وہ حضرت سیدۃ النساء کی اولاد نہ
مرزا صاحب مغل کی اولاد میں سے۔ وہ امام مدینہ منورہ میں تولد ہونگے۔ کادیانی صاحب کادیان ضلع گورداسپور
میں پیدا ہوئے۔ وہ ہرگز بادشاہ عالم ہونگے۔ مرزا کاشتکار۔ اگر مدینہ منورہ سے کادیان مراد رکھ لینگے جیسا کہ
دمشق سے کادیان ہی زعم کرلیا ہے۔ اولاد سیدۃ النساء میں سے ہونیکو شاید پر محمول کرلینگے بادشاہ
سے تسلط باطنی۔ نیز مردود ہے کیا ہوسکتا ہے کہ لفظ مدینہ بولا جاوے اور کادیان مراد رکھ لیا جاوے۔
چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ اور پھر اس قسم کے بے محل استعارات کے واسطے کونسی ضرورت داعی ہے۔
یہ تو صرف ہیر پھیر بازی ہے۔ رہی یہ حدیث "لا مهدی الا عیسیٰ" سو یہ قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ صحت
تک نہیں پہونچی ہے چنانچہ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق میں اور دوسرے محدثین نے اسکی تصریح
کی ہے۔ سوم جن روایات سے یہ لوگ یہ خسوف کسوف ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔ علی بن عبداللہ ابن عباس نے فرمایا
کہ مہدی تب تک خروج نہیں کرینگے جبتک کہ آفتاب سے کوئی نشان ظاہر نہ ہولے۔ محمد بن علی فرماتے ہیں کہ مہدی کے
لئے دو نشان ہیں ایک یہ کہ چاند کو رمضان کی پہلی رات میں اور سورج کو پندرھویں تاریخ کو گرہن ہوگا۔ اشاعۃ
میں لکھا ہے کہ چاند کو رمضان میں دو بار گرہن ہوگا۔ نیز شریک نے روایت کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور
سے پہلے رمضان میں چاند کو دو بار گرہن ہوگا۔ من حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ۔ اب کہو کہ مرزا صاحب کیونکر سچے
بن سکتے ہیں اولاً مطابق روایات مذکورہ کے چاہئے تھا کہ گرہن پہلی رات اور پندرھویں تاریخ کو ہو۔ لیکن وقوع
میں ایسا نہوا بلکہ رمضان گذشتہ میں چاند کو چودھویں رات اور سورج کو انتیس تاریخ میں گرہن ہوا چنانچہ
تمام دنیا پر واضح ہے۔ پنجابیوں میں یہ مثال کہ "واہ اُلٹی سمجھ والیا پیرا ینگی سی ہیٹھلے نوں۔ دیتوا وپرلوں"
مشہور ہے سو اس موقع پر خوب چسپاں ہے۔ دوم کہ چاہئے تھا کہ چاند کو دو بار گرہن ہو لیکن واقع میں ایک ہی بار
ہوا۔ پھر فرمائیے کہ مرزا کے لئے یہ خسوف و کسوف کیسے حجت ہوسکتا ہے۔ سوم روایات مذکورہ سے یہ بات پائی جاتی
ہے کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلی یہ علامتیں ظاہر ہونگیں۔ لیکن مرزا کا خروج تو سالہا سال اس خسوف و کسوف
سے پہلے ہوچکا۔ واہ حدیث فہمی ہمارے دشمن اس روایت پرست یاران۔ چہارم علامت کے پائے جانے سے یہ لازم
نہیں آتا کہ صاحب علامت بھی اسکے پہلے پایا جاوے اور پھر قریب قریب ہی موجود ہو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ قیامت کی علامتیں
کتنی ہی پائی گئی ہیں اور موافق اقوال مرزا صاحب تو غالباً سب ہی علامتیں موجود ہوچکیں ہیں حالانکہ قیامت کا
ابھی تک نہ وجود ہی نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کب ہوگی۔ پس بالفرض خسوف و کسوف جو واقع ہوچکا ہے

والعلم والقيد (بيد) عبدالعزيز الكشميري مولدًا والامرتسري مسكنًا
والنقشبندي المجددي النوري طريقتًا والقاسمي نسبًا رحم الله عليه وعلى اسلافه
الصالحين واني مع قلة بضاعتي ونقص صناعتي زدت الترجمة على الاصل تارة
فصارت كانها شرح مختصر وانتخبته مرة اخرى وتمشيته بحواشي مفيدة وذالك
للتسهيل على اهل الخبرة فما ظنك بالجهلة في زمرة العلماء فالحمد لله على
الاختتام ونسئله العصمة عن الخطاء وعن شر الاعداء الظاهرة والباطنة اللهم
ونصلي على رسوله الكريم وآله وصحبه الف الف الصلاة والتسليم ومن
تبعهم بالاحسان امين برحمتك يا كريم انت بنا برءوف رحيم
وبك نستعين ونتحصن بالله الف لا حول ولا قوة الا بالله
العلي العظيم ط

تنویر المصباح فی کسوف الشمس والقمر

آجکل سنا جاتا ہے کہ بعض لوگ عقل کے اندھے بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن ہوگا۔ سو چونکہ اس رمضان میں جو ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا ہے چاند اور سورج دونوں کو گرہن ہوا۔ تو کادیانی کا مسیح موعود ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اولاً مدعی پر لازم ہے کہ ایسی روایتیں قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ ورنہ کس طرح یہ کسوف و خسوف مسیح کی علامت ٹھہریگا۔ دوم کہ رمضان میں کسوف و خسوف کا ہونا امام مہدی علیہ السلام کے خروج و ظہور کی علامت ہے نہ مسیح موعود کی شاید اسکے جواب میں یوں کہدیں کہ کادیانی مہدی ہونیکا بھی دعوی کرتا ہے تو صاحبو یہ بھی غضب ہے۔ جیسا کہ اس کا مسیح موعود ہونا از قبیل تمسخر ہے۔ یاران اپنے منہ سے جو کچھ کہینگے کہتے جاویں ع بیحیا باش ہرچہ خواہی کن مگر علماء اسلام اور دانشمند لوگ ایسی غپوں پر ہرگز یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ مہدی موعود حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہونگے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں پیدا ہونگے۔ احادیث میں آیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے

اس صورت میں بے شک ایسے لوگ اسلام کے دشمن سمجھے جاویں گے۔ باز آوے۔ باز آوے۔ باز آوے
مسلمانوں میں تو پہلے ہی اختلافات اور جھگڑے ہیں تم نے اور بھی مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے
تعجب ہے کہ جو لوگ آجکل مرزا کے مسیح موعود کے اثبات میں کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ واعظ حسن علی
صاحب جو آجکل مدراس بنگلور میں اہل اسلام میں تفرقہ ڈال رہے ہیں اور لوگوں کو مرزائی بنانا چاہتے
ہیں۔ گو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہی امرتسر وغیرہ میں منبر پر چڑھکر رو رو کر کہتے تھے مسلمانو
سنت و شیعہ کے جھگڑے ان کو چھوڑ دو آپس میں اتفاق پیدا کرو۔ اب وہی دیکھئے فساد پر کمربستہ ہیں۔ نعوذ
العیاذ باللہ غرضکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اگر اسلام کی حفاظت کریگا تو مسلمان متفق ہی ہو سکینگے۔ ورنہ
آجکل کے مدعیوں نے کوئی دقیقہ فساد کا باقی نہیں چھوڑا۔ پس سچ کہا ہے جو شیخ نے کہا ہے بعض
نیک نیتی سے لکھا ہے تم اسے قبول کرو اور تقلیدی عقائد کے پابند ہو رہو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم ۔ تمت

خاکسار

ابو الحسن غلام مصطفیٰ مترجم

تقریظ از صاحب فطانت و صلاح آگین و باعز و تمکین مولوی غلام محی الدین سلمہ اللہ المبین ابن اخ حضرت مصنف و برادر عم مترجم

الحمد للہ الذی نجّانا من مکائد الکائدین وحفظنا من شرور الملحدین فی
الدین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وحبیبہ الذی اسریٰ بہ من المسجد الحرام
المسجد الاقصیٰ ومنہ الی السمٰوٰت العلیٰ وعلی آلہ واصحابہ الذین اشاعوا دین الحق
والھدیٰ اما بعد فھذا کتاب مستطاب مملو من البیان الفصیح المسمّٰی
بالالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح نافع المسلمین وھاد للضالین

اگر یہی مہدی کی علامت ہو تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ مہدی موجود ہو چکا ہو۔ یا بعد ازاں فی الفور ہی
موجود ہو جائے نہیں جائز ہوگا کہ مہدی اس سے متاخر سالہا سال ہو۔ علاوہ بریں مہدی موعود کے
ظہور کی یہی چند نشانات ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور بھی ہیں۔ دیکھو حسین بن صامت نے حسین بن علیؓ
سے سوال کیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نشانی انکے ظہور سے پہلے بھی کوئی ہے۔ آپ نے
فرمایا کہ بنی عباس ہلاک ہونگے بعد ازاں ایک سفیانی ان پر خروج کریگا۔ اور وہ زمین بیدا میں دھنس
جاوے گا۔ غرضکہ حضرت امامؓ نے فرمایا کہ یہ علامتیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہو ویں گی۔ بنی عباس
تو ہلاک ہو چکے ہیں باقی دو علامتیں ابھی تک ظاہر نہیں ہوئیں۔ تلخیص باقی حجج الکرامۃ۔ لہذا یہ دو
علامتیں بھی جبتک کہ نہ ہولیں تب تک کوئی مہدی نہیں ہو سکتا ہے۔ علی ہذا القیاس اور بھی نشانات
ہیں کہ ابھی تک وہ ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ واقفان حدیث و تواریخ پر واضح ہے۔ رہے بے محل استعارات
اور خرافات۔ سو انکا کیا ٹھکانا۔ اور اعتبار ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے کا وہاں کے مخالف نیک مسلمانوں کو
اپنے رسالہ میں یزیدی وغیرہ قرار دیا ہوا ہے سو صاف یہ زبان درازی اور ایک بیہودہ بکواس ہے۔
ایسے مرادی معنے کے لینے سے دانشمند لوگ ہرگز خوش نہیں ہوتے بلکہ سخت نفرت ظاہر کرتے ہیں اور
ایسے مضامین کو گندہ سمجھتے ہیں ہاں البتہ اگر بعض سادہ لوح کور باطن ایسی رذیل باتوں پہ یقین کرینگے
تو وہ جانیں۔ لیکن میں انکو پھر بھی نصیحت کرتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ بھائیو تم ان دعاوی کی طرف
التفات نہ کرو۔ ایسے دعاوی تو اس زمانہ سے پہلے ہی ہو چکے ہیں سید محمد جونپوری نے مہدی ہونیکا
دعوے کیا۔ شام میں ایک ایسے ہی شخص نے مسیح موعود ہونیکا دعوی کیا تھا۔ چنانچہ تواریخ کے دیکھنے
سے معلوم ہوگا۔ دور کیوں جاتے ہو لاہور میں اسی زمانہ میں ایک سبزی فروش موجود ہے وہ جا بجا کہتا ہے
کہ میں مہدی ہوں۔ غرضیکہ مسیح موعود کاشتکار۔ اور مہدی سبزی فروش ہے مگر [illegible]
[illegible] ۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔ بس۔ سادہ لوحو تم کیوں آجکل کے
دعاوی پر ایمان لا چکے ہو۔ کیوں نہیں کہہ دیتے ہو کہ آجکل کے دعاوی ویسے ہی غلط ہیں جیسے کہ پہلے بعض
طالبان دنیا نے جھوٹے دعوے کئے ہیں کیوں آجکل کے خرافات کے سنتے ہی گھبرا گئے ہو ذرا تو خیال
کرو۔ کہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک کسی پیشوائے دین نے آیات و احادیث
کے یہ معنے کئے ہیں جو آجکل کے مدعی کرتے ہیں۔ آخر تمام پیشوایان دین کو غلط فہم کہہ گئے۔ لیکن

هر آنکه گم شده در جستجوش خود را یافت
سزاست حمد و ثنا و ستایش هست و ثنا
رسول هادی بر حق محمد است که
به آل او و آدم و آل او چو پاز پرست
پیمبر معرفت الله مقصد غواص
[illegible] پایه هر یک و ثنا بیست هم سلام و سلام
درین زمانه که قحط الرجال را شنایان [illegible]
ز خود شکسته و جاهل مرتبت اهل
ز قول و فعل نبی تا فستند [illegible]
چنان لباس تکلف کشیده [illegible]
زنند با غلطان [illegible]
هم گرگ گشته مرا ندا چپان [illegible]
الا به هوا کشش بیارست او که چون [illegible]
کجا لباس مستقر به بر آن [illegible]
کجا دو طائرت در بین جناب وجه القدس
به بوالحکیم چه نیست شده است از انکار
دست خورده که چو دم خال است ادا از دم
دوام کذب به پی رو افتیست شیب آئین
مشتاک از چه نباشد جدا ازین شیبه
کراع بیکسی و ساده گان پدام آرسته
دو دیده رق تو یکی چون بق دگر چو دو تار
نماید این درجات چو اسفل الدرکات
چو چشم نور کند کور دیدن رویت

چنانکه قطره بقلزم فنا و شد منضم
ولیک گنگ چه پوید چه گوید آن ابکم
که فرد کامل بودست وهم شفیع امم
سجیه اش همه نیکو نکوتر از چه شیم
هو نیست خارج سراج الامکان [illegible]
ولیکن شکل چه پر دو داری چه گوید آن بکم
درین زمانه که علم است و هم و نیز هم
کنند همت سر عالمان ز انتزام [illegible]
شدند گم اضلال الله [illegible]
کرده سر بد و سر باد ته چاره [illegible]
کشیده تیغ جهالت [illegible]
نهی بخت شه بین [illegible] قدم
دگر ز صاحب [illegible] سر تو قلم
کجا بجست تو فتاده صدین گرم
کجا [illegible] ستای فقر و زهد اعظم
[illegible] ز انکار عیسی مریم
دست [illegible] هر که سر [illegible]
مشتهر از چه نماید سقان را بکشم
زبان تیغ ز کرد دست کار [illegible]
زبق تیر من بنگر [illegible] با جم
دو دیده هر دو ناوان بستا به چون [illegible]
به خطرات چو شد و آمد اهل [illegible]
وابره از [illegible] دست [illegible]

الذین خلعوا من اعناقهم ربقة اجماع المؤمنین وانکروا صعود المسیح بجسده العنصری من الغبراء الی الخضراء ویکفرون بحیاته علیه التحیة والثناء فحرر فیه ثبوت حیاة المسیح وصعوده من الارض الی السماء علیه الصلوة من قبل بعد ولا احصاء مصنفه الذی عم فیضه فی الاکناف والاطراف وحصل منه العلوم کثیر من الشرفاء وقلیل من الاجلاف وهو صاحب مکارم الاخلاق والاوصاف عالم من العلماء الفحول مرجع الشیوخ والکهول جامع للمعقول والمنقول حاو للفروع والاصول نائب ابی البتول لا یخاف لومة لائم مولینا واستاذنا ومرشدنا المفتی محمد غلام رسول (پیر) الحنفی النقشبندی الامرتسری الذی نسبه الی حضرت القاسم حفظه الله من شرور الملحد الظالم بحرمة حضرت ابی القاسم علیه الصلوة والسلام من الله الحاکم وترجمه اخی الاکبر منی سنا والاعلی علما تلمیذ المصنف العلام وابن اخیه صاحب الورع والتقی محسود الجهلاء محمود عند العلماء الصلحاء مولوی ابو الحسن (پیر) غلام مصطفی القاسمی مصنف انوار محمدی (وغیره) عصمه الله من البأساء والضراء ما دامت الارض والسماء وانا الراجی الی الله المستعان والمعین غلام محی الدین القاسمی الامرتسری مولدا ومسکنا عفو الله عنه وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۱۲ تمت

معہ قطعہ تاریخی

قصیدہ متضمن تاریخ از ابلغ بلغاء و افصح فصحاء لشعر فطانت شد ۱۳۔۔ و شرافت پناہ جناب سید ... شاہ صاحب خلف ... صاحب احمد رشید ذو ورع و تقی فی حیات ... صاحب

مرحوم کشمیری ثم الامرتسری

خدائے ہادی مطلق کہ از فیوض کرم	بہشت خاک عطا کرد و در کف کردم
سکون بارض و فلک را ہوائے سیار	مرا بعرش و سمک رفتار در قلم

عنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرتبہ اور فضیلت اُن صاحبوں کی بیان کردی خوشنودی اس واسطے
کسی کو بھی بات شک شبہ کی نہ باقی رہی سب سے بڑھ کے اُن حضرات عالی درجات نے یہ کام کیا کہ اپنے
سچے دین کی حفاظت کا پورا پورا وعدہ خدا تعالیٰ شانہ سے لے لیا۔ اس وقت کسی بزرگ کا یہ قول
وردِ زبان ہے۔ الٰہی یا احکم الحاکمین الٰہی یا اکرم الاکرمین وصل علی سید المرسلین
وصل علی شافع المذنبین وصل علی آلہ الطاہرین وصل علی صحبہ الصالحین
بعد حمد خدا و نعت سرور انبیا بندہ درگاہ سراپا پر خطا محمد عبد العزیز خادم علمائے محمدی حق
شناسوں کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے کہ دین محمدی کی سچائی اللہ کیسی بے نقص وطنا ہے ابتدا سے تا ایندم
بلکہ تا بقائے عالم دشمنان خدا نے کیسا کیسا چاہا اور چاہتے ہیں کہ اس چمکتے ہوئے چراغ کو پھونک پھونک کے
بوجھا دیں۔ ناحق حسد افروزی کر کے شعلہ فساد بھڑکائیں لیکن وہ قدرتی نور بسان برق طور سوائے تجلّی دکھاتا
ہے۔ ذرہ زوال نہیں لگاتی ہے اور لوگ خود اونہی کا دل جلکے سارا حوصلہ پست و خود شکستہ ہو جاتا ہے
مجال کیا ہے کہ زبان ہلائیں۔ نعوذ باللہ چنانچہ تفصیل اس اجمال کی معائنہ کتاب لاجواب ہدایت نہایت مسمّی
بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح تصنیف عالم علم معقول و منقول حامی دین خدا و رسول سرآمد
متکلمین سلطان المناظرین واقف اسرار خفی و جلی مولانا حضرت ہادی مفتی محمد غلام رسول (پیر)
الحنفی القاسمی ادام اللہ ظلہ القوی کی ہے۔ اللہ اللہ کس متانت کی تقریر کس زور و شور کی تحریر ایک
دریا ہے موجیں مارتا نمونہ قدرت خدا یہ تائید غیبی نہیں تو کیا ہے۔ ایسی کثرت کا رد ضیق اوقات میں عجب بات
ہے شرح اور بسط کیساتھ حتی الوسع کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مخالف ہی کے قول سے منکرین کے رشتہ باطل
کو توڑا ہے۔ عبارت کی پاکیزگی پر درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مناظرے میں باوجود سخت کلامی مدعی
اپنی تہذیب و متانت سے نہ جانے دے ادب سے کام لیا ہے۔ سبحان اللہ اسیکا نام ہے کہ شیریں زبانی کی میٹھی چھری سے
دشمن کا کام تمام ہے ماشاء اللہ زورِ قلم کیا اونچی ہے یہ ایک بات ہے جس وادی میں قدم رکھا میدان اپنے
ہاتھ ہے لطف تو یہ ہے کہ جو دعویٰ ہے بادلیل با این ہمہ مطالب کثیر و عبارت قلیل جو بات ہے لاجواب۔ جو
فقرہ ہے انتخاب بلاغت ایسی کہ ذرا سا نکتہ اک فن فصاحت کا بیان طاقت بیان سے باہر۔ سلّمہ اللہ
کی یہ طرز تحریر بہت مشکل ہے معقولیت کے یہ معنی کہ دشمن اپنے ہی قول سے ساکت۔ حافظہ وہ ہے کہ سارا علم ذہن نشین
از بر نگاہ اتنا وسیع کہ دشمن کی کتابیں پیش نظر اور ساتھ ہی اور صاحب کی تصنیف عبارتیں نشان کی تعداد کی کرائی

غرض که تیغ زبان تو قتل عام نمود | بخاص بود که شان را بود سبیل عموم
که بحر رحمت و لطف حق آمده در جوش | بقلع و قمع تو فرمود سینهٔ ملهم
که بنده مظهر آیات حق امام همام | کدام امام که ذات وی است بدر فخیم
بعلم و حلم و فطانت بفضل و فیض و کمال | ندیده دیده بینا ندیده گوش تا دم
برتق و فتق دقائق نگاه او کافی | بحل و عقد حقائق کرشمه اش محرم
بحق که نسخهٔ علام و حبر مقام ست | سمی ختم رسل مقتدای کل کرم
به بینات و براهین بحکم خیر کلام | و حبر نسخهٔ حاوی کنون نمود رقم
مترجمش که سمی برگزیده عربیست | فهیم دقائق و وقاد ذهن و بحر حکم
سبق ربوده بهمه ازو کابر دهر | بدین فضائل طبع کریم او محکم
تبارک الله که شرح متین و شرح فصیح | یکی فرات دگر کوثر است بهر امم
چو نیل مصر زلال اند اهل تقوی را | بلا و تابع فرعون حسرت و الم
هزار شکر به یزدان پاک و هادی کل | که آفتاب صداقت نمود محو ظلم
زفیضناک نسیمش دل جهان بشگفت | بچشم خصم نماید اگرچه خار عجم
خموش و ختم سخن بر دعا کن ای احمد | جبین عجز بخاک آرکن بحق حرم
بگو که بار الها طفیل این تصنیف | بسنتیم ره دین بداریم محکم
دل مراد طلبیان دین احمد را | نگاه دار زیک چشم و اعور ابکم

ولہ

شد چو الہام صحیح مطبوع طبع خاص و عام | بہر این فکر تاریخش شدم من جبہہ سا
پس زامر حق بسال طبع پرسیدم بگفت | زنده ابن مریم ست و قادیانی مرده ہم

تقریظ از عالم باتمیز مولوی محمد عبد العزیز تلمیذ حضور مصنف

سبحان الله پاک ہے وہ بے نیاز جسنے اپنے حبیب کے خادم جان نثاروں کے شان میں رَضِیَ اللهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ارشاد فرماکر اونکا مرتبہ ظاہر کیا۔ اور مخالفین کے حق میں خَتَمَ اللهُ
عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کے اشارے سے اچھی اور برے کو علیحدہ کر دیا۔ سچا ہے وہ نبی صلی الله علیه وسلم جسنے افضل
الناس بعد النبی ابو بکر رضی الله عنه ثم عمر رضی الله عنه ثم عثمان رضی الله عنه ثم

دیشنے اسکے ترجمہ کرنے میں کوشش کی ہے خاص فائدہ عام وعقبے کا نیک کام سمجھکے نہ کسی طمع کیا
دہ کون یعنی مصنف انوار محمدی فخر خاندان ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ و واقف آیات رموز قرآن حبیب
شفیق الحمیم الزکی شمس الفصحی جناب بسیلے القاب مولوی ابو الحسن سید غلام المصطفی حفظہ
یوم التلقی خلف الصدق والصفا برگزیدہ خدا پابند شریعت نبی المصطفی جناب سید محمد عبد العزیز
المرحوم القاسمی النقشبندی الامروہی نور اللہ فی الجنۃ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اعلان

Ahmad Hossain
Motowalli
Mirzaharar, Midnapore

ہمارے مخالف الرائے! پہلے اس بابرکت کتاب کو اپنے خیالی روح القدس یا کسی فاضل آدمی سے سبقاً پڑھو اور پھر بخوبی سمجھ کر تائب ہو جائیں ورنہ جواب تحریر کریں تو اسکے صلہ میں آپکو ایکہزار روپیہ انعام کے طور پر میں دونگا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ سچ مچ جواب ہو۔ نہ یہ کہ ادھر ادھر کی کہانیوں اور طول طویل باتوں سے کاغذات کو سیاہ کرکے اسکا نام **جواب** رکھدیں جیسے کہ تاحال جتنی تصانیف آپ لوگوں کے علما کی مطالعہ میں آتی ہیں۔ ان سب کی بنا بیہودہ اور لاطائل طویل تقریروں پر ہے ٭ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا الخ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

المعلن

رسول شاہ عفی عنہ

-:RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for textbooks and 10 P. per vol. per day for general books kept overdue.